پیامِ کربلا
تقاریر
علامہ صادق حسن آف آسٹریلیا

پیامِ کربلا

تقاریر: علامہ صادق حسن نجفی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تقریریں

علامہ صادق حسن نجفی مدظلہ العالی

تحریر

مولانا ندیم عباس حیدری علوی

پیش کش

حجۃ الاسلام علامہ ریاض حسین جعفری فاضلِ قم

ناشر

ادارہ منہاجُ الصالحین

جناح ٹاؤن ٹھوکر نیاز بیگ لاہور

فون: 5425372

کتاب : پیام کربلا

تقاریر : علامہ صادق حسن نجفی مدظلہ العالی

تدوین : مولانا ندیم عباس علوی حیدری

پیش کش : علامہ ریاض حسین جعفری، فاضل قم

پروف ریڈنگ : غلام حبیب

اشاعت : ستمبر 2009ء

صفحات : 168

ہدیہ : [illegible] روپے

ملنے کا پتہ

ادارہ منہاج الصالحین۔ لاہور

الحمد مارکیٹ فسٹ فلور دکان نمبر 20۔ غزنی سٹریٹ۔ اردو بازار۔ لاہور

فون: 042-7225252 ، 0301-4575120

ترتیب

مجلس اول	7
مجلس دوم	31
مجلس سوم	48
مجلس چہارم	65
مجلس پنجم	84
مجلس ششم	99
مجلس ہفتم	117
مجلس ہشتم	136
مجلس نہم	154

اَعُوذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیطٰنِ الرَّجِیم

بِسمِ اللّٰہِ الرَّحمٰنِ الرَّحِیمِ

اَلحَمدُ لِلّٰہِ المَلِکِ الحَقِّ المُبِینِ وَالصَّلٰوۃُ

وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الاَنبِیَاءِ وَالمُرسَلِینَ

خَاتَمِ النَّبِیِّینَ رَحمَۃٍ لِّلعٰلَمِینَ

شَفِیعِ المُذنِبِینَ اَبِی القَاسِمِ مُحَمَّدٍ

وَآلِہٖ وَعِترَتِہٖ وَاَهلِ بَیتِہٖ

الطَّیِّبِینَ الطَّاهِرِینَ المَعصُومِینَ المَظلُومِینَ

وَلَعنَۃُ اللّٰہِ عَلٰی اَعدَائِهِم اَجمَعِینَ ـ

❁❁❁

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اِنۡ تَنۡصُرُوا اللّٰهَ یَنۡصُرۡكُمۡ وَ یُثَبِّتۡ اَقۡدَامَكُمۡ ۝ (سورۂ محمد، آیہ ۷)

وَقَالَ اَبُو عَبۡدِ اللّٰهِ الۡحُسَیۡنِ: هَلۡ مِنۡ نَّاصِرٍ یَنۡصُرُنَا

پیامِ کربلا!

کربلا آج بھی زندہ ہے اور قیامت تک زندہ رہے گی۔ یہ (نعوذ باللہ) کوئی کہانی نہیں ہے، کوئی ماضی نہیں ہے، یہ ہمارا حال بھی ہے۔ یہ ہمارا مستقبل بھی ہے اور ہر دور میں کربلا ہمیں راہِ ہدایت دکھائی چلی جاتی ہے۔

کربلا کا پیغام، کربلا کا پیغام ہر دور میں تازہ بھی ہے اور کربلا کے حوالے سے مومن کو ہر دور میں اپنے آپ سے یہ سوال بھی کرنا ہے کہ جب آقاؑ نے تیسری صدائے استغاثہ بلند کی اور اپنے ناصر مانگے ”کہ ہے کوئی میری مدد کرنے والا“ تو یہ حسینؑ اپنی ذات، اپنی زندگی یا اپنے خاندان کے لیے کوئی مددگار طلب نہیں کر رہے ہیں، بلکہ یہ اپنے اس مقصد کے لیے مددگار طلب کر رہے ہیں کہ اگر کوئی موقع پر حسینؑ کا ساتھ دے رہا ہے تو وہ کہلاتا ہے:

اَلسَّلَامُ عَلٰی اَنۡصَارِ دِیۡنِ اللّٰهِ

جو حسینؑ کی مدد کو آتا ہے تو وہ دینِ خدا کا مددگار قرار پاتا ہے۔ لیکن اب

دیکھنا ہے کہ کربلا جس کا بہت ہی مختصر خلاصہ یہ بنے گا کہ ہر دور میں ہوشیار رہنا اور ہر دور میں جاگتے رہنا۔

ابھی ابھی آپ نے ایک نعرہ سنا اور مجلسوں میں کثرت کے ساتھ یہ ہوتا ہے کہ ہم ''یزید مُردہ باد'' نہیں کہتے ہیں بلکہ ''یزیدیت مُردہ باد'' کہتے ہیں۔ یزید ہندہ کے اس پوتے کا نام تھا جو ۶۴ ہجری میں جہنم واصل ہوا اور یزیدیت اس فکر و مزاج کا نام ہے جو آج بھی موجود ہے۔ چاروں طرف بکھری ہوئی ہے اور ایک لمحے کے لیے مومن اگر غافل ہوجائے تو یزیدیت مُردہ باد کا نعرہ لگانے کے باوجود وہ یزیدیت پر عمل کرے گا، اگر غافل ہوجائے۔

حسینؑ کے جہاد کا ایک بڑا مقصد، اب میں یہ لفظ کیسے کہوں؟ میرے پاس الفاظ نہیں ہیں کہ حسینؑ کے جہاد کا ایک بڑا مقصد یزیدیت کا خاتمہ نہیں تھا۔ یزیدیت کا تعارف کرانا تھا، یزیدیت کا خاتمہ، حسینؑ کا بیٹا اور وارث ہمارے زمانے کا امامؑ، اللہ کی آخری حجت، امامِ عصر والزمانؑ ظاہر ہونے کے، بعد کریں گے۔

صحیح معنوں میں اس دنیا سے یزیدیت کا خاتمہ اُس وقت ہوگا جب حسین علیہ السلام کا وارث اپنے دادا کے خون کا انتقام لینے کے ساتھ ساتھ ہر یزیدی کا خاتمہ کردے گا۔

تو حسینؑ کا ایک بڑا مقصد تھا کہ ہمیں پہچان کرا دینا کہ یزیدیت ہے کیا؟ اب حسینؑ نے یزیدیت کی پہچان کروا دی۔ زمانے کا امامؑ اس کا خاتمہ کرے گا۔ اس کے درمیان ہم اور آپ ہیں۔ حسینؑ نے ۶۱ ہجری میں یزیدیت کی شناخت کروائی۔ آنے والا امامؑ خدا کو معلوم کب آئے گا؟

دو حدیثیں بڑی اہم ہیں، آنے والے امامؑ کے بارے میں اگرچہ میری زندگی کے اہم ترین موضوعات میں سے اپنے امامؑ کا تذکرہ بھی شامل ہے، مگر میں

بدنام ہوگیا ہوں موت اور قبر کے حوالے سے۔ ورنہ جتنی تقریریں میں نے موت اور قبر پہ کی ہیں ان سے کم از کم دس گنا زیادہ اپنے زمانے کے امامؑ کے حوالے سے کی ہیں مگر لاہور میں سولہ سال سے میں آرہا ہوں، اس کے باوجود اس عنوان سے میں نے جان بوجھ کر کوئی پورا عشرہ یا کوئی خمسہ نہیں پڑھا، اس کی وجوہات بعد میں آجائیں گی آج نہیں۔ آج تو صرف ایک جملہ کہنا چاہتا ہوں، کہ دو حدیثیں پھر بھی، اس لیے سنا رہا ہوں کہ ان دونوں حدیثوں کا تعلق میری آج کی تقریر کے اگلے حصے سے ہے۔

پہلی حدیث یہ کہ کَذِبَ الْوَقَّاتُونْ ''جو آنے والے امامؑ کے لیے کوئی وقت مقرر کرے وہ جھوٹا ہے''۔

اور دوسری حدیث یہ ہے کہ اب وہ جو وقت مقرر کرنے والا ہے، وہ جھوٹا کس حوالے سے ہے، وہ اپنی جگہ لیکن ایک وجہ اس دوسری حدیث میں ہے اور وہ دوسری حدیث بہت تفصیل بھی چاہتی ہے، لیکن اگر بہت مختصر طور پر بھی سن لیا جائے تو بھی سمجھ میں آجاتی ہے کہ فرماتے ہیں معصومؑ کہ کبھی ہمارے ماننے والوں کی بدکرداری اور بدعملی ظہور میں سو سال کی تاخیر کا سبب بن جاتی ہے اور کبھی ہمارے ماننے والوں کا اچھا کردار ظہور کو سو سال پہلے لانے کا سبب بن جاتا ہے۔

ہم اور آپ بھی، ظہورِ امامؑ کی تاریخ مقرر کرنے میں، ایک بہت بڑا کردار پیش کر سکتے ہیں۔ اپنے آپ کو بدلیں تو وقت جو اللہ نے رکھا ہے تو اس سے پہلے امامؑ آسکتا ہے اور اپنے آپ کو نہ بدلیں اور خراب کر دیں تو وقت جو اللہ نے رکھا ہے اُس میں تاخیر ہو سکتی ہے۔ اب جو لوگ سمجھ گئے اور اچھی طرح سمجھ گئے، تو وہ تو ٹھیک ہے۔

لیکن اگر کسی کے ذہن میں یہ بات ذرا سی غلط فہمی پیدا کر رہی ہے، تو میں

اپنی مجالس کے عنوان کو بدل تو نہیں سکتا، صرف ایک مشورہ دے سکتا ہوں کہ رہبر مسلمین حضرت آیۃ اللہ خامنہ ای کی کتابوں میں سے جن چند کتابوں کا اُردو ترجمہ ہوا ہے، ان میں سے ایک ہے چوتھے امامؑ کے حالات پر۔ چوتھے امامؑ کا سیاسی موقف، چوتھے امامؑ کا کردار، اس کو جا کر پڑھ لیجیے۔ اس میں بڑی تفصیلی بحث اس حوالے سے بھی ہوئی ہے۔ یہ والی روایت اس میں نہیں ہے لیکن یہ مسئلہ کہ ظہور کی تاریخ طے نہیں کی۔ جلدی بھی ہو سکتا ہے ظہور، تاخیر سے بھی ہو سکتا ہے۔ بڑی تفصیل کے ساتھ، ولی امر مسلمین حضرت آیۃ اللہ خامنہ ای نے اس پہ بحث کی ہے اور کتاب اُردو میں مل جاتی ہے۔

اور میری اپنی ایک عادت ہے کہ میں چاہتا ہوں کہ ہماری قوم کتاب پڑھنا بھی سیکھے اور اس کو بھی اسی انداز سے میں لے کر چلتا ہوں۔ جو قوم عارضی طور پر پتہ نہیں کیوں کتاب دشمن بن گئی۔ اس کو اگر موٹی موٹی کتابوں کے حوالے دیے جائیں تو وہ دیکھ کر ہی بھاگ جائے گی۔

یہ کتاب جس کا میں نے حوالہ دیا چونسٹھ صفحات کا ایک مختصر سا کتابچہ ہے۔ آغاز یہاں سے کریں، ان شاء اللہ وہ وقت آجائے گا جو ہمیشہ سے معصومینؑ کا اپنے دشمنوں سے ایک علمی مقابلہ یا جہاد رہا ہے۔

دشمن کہتے ہیں کہ لکھنا، پڑھنا خطرناک چیز ہے مسلمان کے لیے، وہ رسولؐ اللہ کی تحریر کے لیے تیار نہیں ہیں اور یہ مزاج آگے بڑھتا رہا اور اہلِ بیتؑ ہمیشہ کہتے رہے کہ ہر چیز کو لکھ کر رکھو۔

قَیِّدُوا العِلمَ بِالکِتَابِ

دیکھیے ــــــ!

یہ آج موضوع نہیں ہے، صرف ضمناً دو باتیں آگئیں۔

میرے محترم دوست اور اس قوم کو فکری انداز میں ایک نہج دینے والے خطیبِ آلِ محمدؐ مولانا ڈاکٹر سید کلب صادق صاحب بھی اسی سلسلۂ مجالس میں میرے ساتھ تشریف لا رہے ہیں تو ان کا الگ ایک موضوع ہے۔

اس عنوان پر کہ ظہورِ امامؑ کی تاریخ معین کرنے والا بھی جھوٹا اور ہمارا کردار ظہورِ امامؑ کے حوالے سے بہت اہم رول ادا کرتا ہے کہ جلدی بھی ہو سکتی ہے اور تاخیر بھی، لیکن اسے رکھیے ایک طرف۔

جب تک کہ ظہورِ امامؑ نہیں ہوگا ہماری ذمہ داریاں ہیں کہ جس یزیدیت کا تعارف حسینؑ کرا کے گئے اپنے اپنے دور میں اس یزیدیت کو پہچانو۔ اپنے اپنے علاقے میں اس یزیدیت کو پہچانو۔

ہر دور میں اور ہر علاقے میں یزیدیت ایک انداز لے کر آتی ہے۔ یزید سے بڑا ظالم اس روئے زمین پر نہ پہلے کبھی گزرا نہ بعد میں کبھی گزرے گا۔ لیکن یزید کے راستے پر چلنے والے اب تک موجود ہیں۔

پروردگارِ عالم کا طریقہ یہ نہیں ہے کہ ہر چیز تیار کر کے مومن کو دے، بہت سی چیزوں میں اللہ کا وعدہ ہے مومن سے، لیکن کوشش مومن کو کرنی ہوتی ہے، جس میں سرِ فہرست روزی ہے۔

وعدہ ہے اللہ کا لیکن آپ کے گھر میں یہ روزی نازل نہیں ہوگی، کوشش کرنا پڑے گی وہیں دینی حوالے سے بھی کئی باتیں ہیں۔

تو یزیدیت کا تعارف حسینؑ نے کرایا، ان کا بیٹا یزیدیت کا خاتمہ کرے گا اور جو درمیان کا زمانہ ہے اُس میں ہماری ایک ذمہ داری آتی ہے اور ایک جملہ اِس وقت بہت مختصر کہہ رہا ہوں کہ یزید کے ایسے چاہنے والے گزرے ہیں اور ابھی بھی ہیں جو پکار پکار کر وہی جملہ کہتے ہیں، جو اُن کو یزید نے نہیں سکھایا اور اس پر عمل بھی

کرتے ہیں۔

اے یزید! کاش ہم تمھارے ساتھ ہوتے۔

یعنی جو تم نے کیا ہے، ہم تمھارے ساتھ اُس میں شریک ہوتے اور حسینؑ کے کتنے ہی ماننے والے ایسے ہیں کہ جن کو حسینؑ نے سکھایا ہے اور پڑھتے بھی ہیں لیکن اُس پہ عمل نہیں کرتے۔

یزید نے اپنے چاہنے والوں کو یہ جملہ نہیں سکھایا، اُنھوں نے خود سے یہ جملہ ایجاد کیا اور اُس پر عمل کیا، اس لیے کہ یہ بالکل مطابق عقل جملہ ہے کہ یاد کرو اپنے رہبر کو کہ اس کے ساتھ ہوتے، تو اس کے جہاد میں حصّہ لیتے، لیکن تمنا کر کے بیٹھ نہ جاؤ، آگے میدان میں نکلو۔

بھئی ـــــ!

آگے میدان میں نکلو کہ آقا حسینؑ اور وہاں سے لے کر جونؓ غلام حبشی، کاش ہم تمھارے ساتھ ہوتے اور آج دیکھ لے تو کہ تمھارے زمانے میں کون سی یزیدیت آئی اور اس کے بارے میں مجھے ایک اہم بات عرض کرنا ہے۔

ہوسکتا ہے کہ آپ نے میری کسی تقریر میں سنا ہو لیکن میرا ذہن کام نہیں کرتا کہ میں نے لاہور میں یہ بات کی۔ بہت اہم عنوان ہے۔ وہ یہ کہ یزیدیت کے جو ہتھیار کربلا میں لے جائے گئے تھے وہی انداز پلٹ پلٹ کر دنیا میں آتا رہے گا۔ اُس میں تیر تھے، حُرملہ تو اپنے ساتھ بڑے بڑے تیر لایا، یزیدیت کے جو ہتھیار کربلا میں لائے گئے اس میں تلواریں تھیں، اس میں نیزے تھے، اس میں برچھیاں تھیں حتیٰ کہ لوگ تو بوریوں میں بھر بھر کر پتھر بھی لائے تھے میدانِ کربلا میں۔

اور جب میرا آقا ذوالجناح پہ ڈگمگا رہا تھا تو اُس وقت حسینؑ کی پیشانی پر پتھر بھی مارے جا رہے ہیں، جو سلسلہ شام تک چلا۔

زینبِ کبریٰؑ نے ایک بار اپنے سر کو دیوار سے ٹکرایا اور سر سے خون جاری ہوا کہ جب ایک عورت نے نوکِ نیزہ پہ کٹے ہوئے میرے مولاؑ کے سر پہ پتھر مارا تھا اور شام ہی کی ایک عورت ہوگی جو میرے امامِ زمانہؑ کے سر پہ پتھر گرا کے اُن کی شہادت کا سبب بنے گی۔

یہ سارے ہتھیار تو اپنی جگہ پر ہیں، کربلا کے میدان میں ایک اور ہتھیار تھا اور وہ بڑی حفاظت سے رکھا گیا تھا کہ یہ بہت کام آنے والا ہتھیار ہے کہ جہاں تیر ناکام ہو جائیں گے، جہاں تلواریں بیکار ہو جائیں گی، جہاں برچھیاں کام نہیں کریں گی، جہاں پتھر کام نہیں کریں گے وہاں اسے نکالیں گے۔ اور اس لیے کہ یزید کا باپ صفین کی لڑائی میں بڑی کامیابی کے ساتھ مولا علیؑ کے خلاف استعمال کر چکا۔

میرا لفظ دیکھیے میں نے یہ نہیں کہا کہ یزید کے باپ نے ہتھیار استعمال کیا، میں نے کہا کہ بڑی کامیابی کے ساتھ استعمال کیا۔ اور کب استعمال کیا؟ شروع میں نہیں، شروع میں تو نیزے چلے، تیر چلے، تلواریں چلیں، برچھیاں چلیں۔

سولہ، سترہ مہینے صفین کی لڑائی، جب آخری مرحلہ رہ گیا اور یزید کے باپ نے دیکھا کہ شکست اب یقینی ہے، تب وہ ہتھیار نکالا گیا، کامیاب ہو گیا وہ۔

یزید کے لشکر نے بھی یہ ہتھیار بڑی حفاظت سے رکھا، اب اس ہتھیار کا کوئی نام نہیں۔ اگر میں تم سے بہت ہی مختصر کہوں تو اس کا نام ہے مکاری۔ اس کا نام ہے فریب، اس کا نام ہے دغابازی۔

ہر شبِ جمعہ ہم دعائے کمیل کے آخر میں ایک جملہ کہتے ہیں:

اَللّٰهُمَّ وَمَنْ اَرَادَنِیْ بِسُوْءٍ فَاَرِدْهُ وَمَنْ كَادَنِیْ فَكِدْهُ

یہ پہلا ٹکڑا مَنْ اَرَادَنِیْ تیر ہے، نیزہ ہے، برچھی ہے اور دوسرا ٹکڑا مَنْ

کَاذِبِی فَکِذْہٗ یہ صفین کے میدان اور کربلا کے میدان میں دو مرتبہ استعمال ہونے والا خصوصی ہتھیار ہے۔

آخری زمانے میں سفیانی تیر و تلوار لے کر آئے گا اور دجال مکر و فریب کا جال بچھائے گا۔

اے خدا! جو مجھ سے بُرائی کا ارادہ کرتا ہے اس کی بُرائی کو اُس کی طرف پلٹا دے، اور جو مجھے مکر و فریب دینا چاہتا ہے اس کے دھوکے میں اس کو پھنسا لے۔

ہر شبِ جمعہ آپ کہتے ہیں، اور خاص زیارتِ عاشورہ میں بھی آپ اس جملے کو پڑھتے ہیں۔ یہ ہتھیار صفین کی لڑائی میں بڑی کامیابی سے استعمال ہوا، مکاری کا، جب شکست یقینی تھی تیر و تلوار ناکام ہو گئے۔

علیؑ کا مخلص صحابی مالک اشترؓ حاکمِ شام کے خیمے کی رسّی اور طنابیں کاٹ رہا ہے۔ اب بس سیکنڈز کی بات ہے۔ یہ خیمے کی رسیاں کٹیں اور خیمہ گرا تو وہ گھبرا کے باہر نکلا اور تلوار چلی۔ تب یہ ہتھیار استعمال ہوا، نیزوں پہ قرآن کا بلند کرنا۔

یہ خاص اس حوالے سے بھی ہے کہ قرآن کو ایک کھلونا بنا لیا ان لوگوں نے اور خاص اس حوالے سے بھی ہے کہ نیزوں پہ قرآن، قرآن کی محبت میں بلند نہیں کیا گیا، نیزوں پہ قرآن، مکر و فریب کی نیت سے بلند کیا گیا۔

اور قرآن کا ہر حوالہ دینے والا قرآن کے ساتھ مخلص نہیں ہوتا، یہ مکاری کا ہتھیار تھا جو حاکمِ شام نے استعمال کیا بلکہ بعض علما تو کہتے ہیں کہ وہاں صفین کے میدان میں اتنے قرآن بھی نہیں تھے، اس لیے کہ پہلے زمانے میں قرآن ہاتھ سے لکھا جاتا تھا، چھپتے نہیں تھے، تو وہ تو قرآن جیسے پتھر جو کپڑے میں لپیٹ کے بلند کر دیے۔ کہا کہ یہ قرآن ہے۔

بہرحال ــــ! اگر اصلی قرآن کو بلند کیا تب بھی اور اگر دھوکا دے کر

پتھروں کو قرآن بنا کے بلند کیا تب بھی۔

یہ مکاری کا ہتھیار کامیاب ہوگیا، میں کامیاب کن معنوں میں کہہ رہا ہوں:
علیؑ کے لشکر میں اختلاف ہوگیا اور اتنا شدید اختلاف ہوگیا کہ آدھے سے زیادہ لشکر، علیؑ کے خلاف ہوگیا۔ علیؑ کا لشکر علیؑ کو چھوڑ گیا، علیؑ تنہا رہ گئے۔

علیؑ پہ زندگی میں دو بار ایسی تنہائی آئی ہے۔ ایک جب خانۂ سیدہؑ جل رہا تھا تو کوئی علیؑ کا ساتھ دینے والا نہیں تھا اور ایک خلیفۂ ظاہری بننے کے بعد۔

خلیفۂ حقیقی تو علیؑ ہمیشہ سے تھے، خلیفۂ ظاہری بننے کے بعد، صفین کے میدان میں علیؑ تنہا رہ گئے۔ لشکر کی اکثریت اس طرح سے علیؑ کے خلاف ہوگئی کہ علیؑ پکار پکار کر کہتے رہے: دھوکے میں نہ آؤ۔ اگر یہ قرآن بھی ہے تو قرآنِ صامت ہے میں تو بولتا قرآن، قرآنِ ناطق ہوں۔

لشکر نے علیؑ کی بات بھی نہیں مانی اور نہ صرف یہ کہ مخالف ہوئے علیؑ کے، بلکہ اتنے مخالف ہوئے کہ جب یہ طے پایا کہ چلو مصالحت کی ایک کمیٹی بنائی جائے، ایک آدمی حاکمِ شام کی طرف آیا اور ایک علیؑ کی جانب سے۔

تو علیؑ کو علیؑ کے لشکر والوں نے علیؑ کو یہ اجازت بھی نہ دی کہ علیؑ اپنی پسند کا آدمی بھیج دیں۔ نعوذ باللہ امامؑ کسی کی اجازت کا محتاج نہیں ہوتا لیکن حکمِ خدا سے امامؑ کو جگہ جگہ رُکنا پڑتا ہے۔

علیؑ نے کہا کہ میں عبداللہ ابن عباسؓ کو اپنا نمائندہ بنا کے بھیجوں گا۔ کہا کہ نہیں وہ نہیں جائے گا بلکہ جسے ہم کہیں گے جیسے ابوموسیٰ اشعری، سادہ بھولے بھالے کو بھجوا دیا گیا۔

ابوموسیٰ اشعری کی سادگی پہ قربان، واقعات آپ کے سنے ہوئے ہیں۔ علیؑ راضی نہیں ہیں۔ حاکمِ شام نے کوئی شرط نہیں لگائی کہ وہ آئے اور وہ نہ آئے۔ علیؑ

کے اپنے ساتھی کہہ رہے تھے کہ یہ جائے گا وہ نہیں جائے گا۔ اور کس وجہ سے، نیزے پہ قرآن کے بلند ہونے کے دھوکے میں آ گئے۔
یہ ہتھیار حاکمِ شام نے استعمال کیا اور کامیاب رہا۔ اِس کا نتیجہ نکلا کہ علیؑ کے نمائندے نے علیؑ کو خلافت سے زائل کر دیا اور معاویہ کے نمائندے نے اپنے آدمی کو خلافت پہ برقرار رکھا۔
لیکن میں اس وقت صفین نہیں پڑھ رہا ہوں، میں اسی وقت کربلا پڑھ رہا ہوں۔
یہ والا ہتھیار، دشمنوں نے گر کی بات یاد کر لی کہ جب بھی حق کے لشکر کے خلاف تیر کام نہ آئیں، نیزے کام نہ آئیں، برچھیاں کام نہ آئیں، تلواریں کام نہ آئیں، پتھر کام نہ آئیں تو مکروفریب، عیاری اور دغابازی کام آجاتی ہے۔
علیؑ جیسے امام المتقین، علیؑ جیسے کائنات کے حاکم، علیؑ کے اشارے پہ کائنات رشک کرتی ہے۔ اس کے لشکر کو بھی اس ہتھیار نے دھوکے میں ڈال دیا، تب یہ بہت مخصوص رکھا گیا اور کربلا میں یہ ہتھیار بھی استعمال ہوا۔
لیکن صفین میں خاندان ابوسفیان کا ہتھیار کامیاب ہو گیا اور کربلا میں ناکام ہو گیا۔ اسی لیے ہم صفین کی لڑائی کو نہیں کہتے ہیں کہ مولاؑ! کاش میں آپ کے ساتھ ہوتا، مگر ہم کربلا کو یاد کر کے کہتے ہیں کہ اے مولاؑ! کاش میں آپ کے ساتھ ہوتا۔
صفین میں علیؑ کے اصحاب علیؑ کو چھوڑ کر چلے گئے، کربلا میں حسینؑ کے اصحاب نے ہر ہتھیار کا مقابلہ کیا اور مکاری کا بھی ایسا مقابلہ کیا کہ یہ ہتھیار وہاں ناکام ہو گیا۔ جس کو باپ نے کامیابی سے استعمال کیا، بیٹے نے منہ کی کھائی۔
اب یہ بات بہت مبہم ہے اس کو سمجھئے اور اس لیے سمجھئے کہ بالکل یہی ہتھیار آج بھی استعمال ہو رہا ہے۔ خاص طور پر صفین کے میدان میں کیا کہہ کر علیؑ کے

خلاف لوگوں کو تیار کیا گیا، جذباتی باتیں۔

علیؑ پکار پکار کر کہہ رہے ہیں کہ یہ قرآن تمھیں دھوکا دینے کے لیے لایا گیا ہے۔ آج ہماری قوم کے اندر ایک بہت بڑا مسئلہ پیدا کیا گیا مرجعیت کے مقابلے میں، مجتہدین کی مخالفت میں۔

بارہ سو سال سے غیبتِ امامؑ میں جو نظام چلا آرہا ہے اس نظام کی مخالفت اور اس کے اندر بھی جذباتی باتیں آرہی ہیں۔

تو یہ جو جذباتی باتیں ہوتی ہیں تو لوگ دوڑ پڑتے ہیں، سوچتے بھی نہیں، تو دوڑ پڑا وہاں علیؑ کا لشکر اور آج ہمارے یہاں بھی کوئی غور نہیں کرتا بلکہ دوڑ پڑتے ہیں مجتہدین کے خلاف۔

یہی وہ ہتھیار ہے جو کربلا میں آیا۔ پیامِ کربلا آج کس طرح سے ہماری زندگی میں ہے۔ وہ اس طرح بھی ہے کہ کربلا کے اس مکاری کے ہتھیار کو جس طرح کربلا کے اندر کند کیا گیا۔ آج ہماری اور آپ کی ذمہ داری ہے۔

اب دیکھیے ــــــ!

ذرا اس اجمال کی تفصیل اور وہ یہ کہ کربلا میں شبِ عاشور آئی اور دو مختلف کیفیتیں میدانِ کربلا میں لے کے آئی۔ ایک طرف حسینؑ کا لشکر، ایک طرف اصحابِ حسینؑ کے خیمے تھے، کیا عبادت کی گئی ساری رات، حسینؑ نے جو ایک رات کی مہلت مانگی حقیقت میں اس لشکر کو دی مگر ظاہری اعتبار سے تو مانگی نا تو ساری رات۔ جب مہلت لی تب بھی یہ جملہ کہا کہ میری زندگی کی کوئی رات اللہ کی عبادت کے بغیر نہیں گزری۔ میں چاہتا ہوں دنیا کو چھوڑنے سے پہلے یہ پوری رات ایک مرتبہ اور اللہ کی عبادت میں گزاروں!

تو خیر ــــــ!

حسینؑ تو جتنی عبادت کریں سو کریں، ہمارے پاس تو بنا بنایا جواب موجود ہے۔ ہم حسینؑ نہیں۔ ہم معصوم نہیں ہیں، لیکن اصحابِ حسینؑ مسلم ابن عوسجہؓ سے لے کر جونؓ غلام حبشی تک، بار بار یہ یاد دلانے کی ضرورت نہیں ہے کہ یہ اُمتی تھے، یہ غیر معصوم تھے۔ یہ ہماری اور آپ کی طرح تھے کربلا کے واقعہ سے پہلے۔ لیکن اُن کے یہاں بھی ساری رات یہی عبادت نظر آئی۔ یہ تو تاریخ کا [illegible]رہ ہے کہ شب عاشور اگر کوئی اصحابِ حسینؑ کے خیموں سے گزرے تو ذکرِ خدا کی ایسی آوازیں آتی تھیں جیسے کوئی شہد کی مکھیوں کے چھتے کے قریب سے گزرے تو مکھیوں کی بھنبھناہٹ کی آواز آتی ہے۔

ہر خیمے میں یہ عبادت ہے، عبادت اور اہلِ بیتؑ ایک ہی چیز ہے، دنیا کو سجدہ سکھایا ہی اہلِ بیتؑ نے ہے۔ —— (صلواۃ)

تو کربلا میں دو خیمے ہیں: ایک کیمپ لگا ہے حسینؑ کا، اور ایک کیمپ لگا ہے لشکرِ یزید کا۔

اب دیکھئے ——!

لشکرِ یزید میں کیا صورت ہے؟ جس طرح حسینؑ نے شب عاشور اپنے اصحاب کی ایک میٹنگ بلائی، لیکن وہ بہت مختصر تھی۔ چراغ گل کیا، امتحان لیا، امتحان میں کامیاب ہوئے۔ چراغ روشن کیا، خیموں میں بھیج دیا عبادت کے لیے۔ خود حسینؑ بھی آ کر مصلّے عبادت پر بیٹھ گئے۔ جب قاسمؑ اپنے چچا سے پوچھنے آیا تھا کہ میرا نام ہے کہ نہیں؟

اس وقت حسینؑ عبادت کے مصلّے پر بیٹھے تھے اور جو سامنے والے کیمپ میں میٹنگ ہو رہی ہے وہ ساری رات میٹنگ چلی اور اس میٹنگ کے ایجنڈے میں خالی ایک بات تھی، پوری رات صرف ایک نکتہ کے اُوپر بحث ہو رہی ہے۔ اب سارا لشکر

یزید نہیں ہے، ہر نام ایسا ہے کہ ایک بار نہیں بلکہ بے شمار مرتبہ لعنت کرنے کا دل چاہتا ہے۔

عمر بن سعد ہے، شمر ہے، حرملہ ہے، خولی ہے، ایک سے ایک بڑا ظالم۔ یہ سب بیٹھے ہیں، پوری رات بحث ہو رہی ہے بس ایک مسئلے پر۔ وہ کیا مسئلہ؟ وہ مسئلہ یہ ہے کہ کل صبح کی جنگ میں ہماری شکست یقینی ہے۔

ابھی جنگ شروع ہی نہیں ہوئی اور پتا ہے کہ کل ہم کو ہارنا ہی ہارنا ہے۔ تیس ہزار کا لشکر، سامنے بمشکل بہتر، تین دن کے بھوکے، تین دن کے پیاسے، تو وہ کہہ رہے ہیں کہ کل شکست یقینی ہے اور کیوں؟

حسینؑ کے بہتر سپاہی ان سے گھبرا رہے ہیں؟ نہیں، میں اصحابِ امامؑ کی توہین نہیں کر رہا ہوں لیکن ان سے نہیں گھبرا رہے ہیں۔ حسینؑ کی فوج کا ایک سپاہی ہے ابوالفضل العباسؑ، یہ ایک سپاہی، ساری رات عمر بن سعد کی میٹنگ کا موضوع رہا کہ جب تک عباسؑ حسینؑ کے ساتھ ہیں، ہم کبھی کامیاب نہیں ہو سکتے۔ آپ کیا فضیلت عباسؑ مانیں گے، یہ تو دشمن مان رہا ہے۔ پوری رات یہ طے ہوتا رہا کہ حسینؑ اور عباسؑ میں جدائی کیسے ڈالی جائے۔ عباسؑ جب تک ہیں ہماری شکست یقینی ہے۔

اور تین وجوہات کی بنا پر اتنا یقین ہے، یہ لوگ علمِ غیب نہیں رکھتے، نمبر ایک، علیؑ کا بار بار یہ کہنا کہ میرا بیٹا تو عباسؑ ہے، میرا وارث تو عباسؑ ہے۔ اگر کسی نے پلٹ کر کہہ بھی دیا کہ آپؑ کہتے ہیں کہ میرا بیٹا عباسؑ ہے تو حسنینؑ؟

آپ کو جواب یاد ہے مولا علیؑ کا؟ کہا: وہ میرے بیٹے کہاں ہیں وہ تو رسولؐ کے بیٹے ہیں، بار بار میرے مولاؑ نے کہا۔

اور عباسؑ کی ولادت کے اہتمام نے یہ بتا دیا کہ میں ایسا اپنا جانشین چاہتا

ہوں کہ جیسے زندگی بھر میں نے رسولؐ کی حمایت کی ہے، اور رسولؐ کا ساتھ دیا ہے، وہ بھی میرے حسینؑ کا ساتھ دے اور جب تک علیؑ رسولؐ کے ساتھ رہے ہیں، ایک جنگ میں بھی مسلمانوں کو شکست نہیں ہوئی۔

یہاں تک کہ سازشوں کے نتیجے میں جو دو جنگیں ہرا دی گئی تھیں، سب بھاگ گئے تھے اُحد کی لڑائی میں وہ بھی علیؑ نے جیت لی۔ خندق میں جہاں کچھ منافقین نے خندق چھوٹی رکھی تھی، وہ بھی علیؑ نے جیت لی اور علیؑ نے کہا کہ یہ عباسؑ کی خاصیت ہے، تو چاہے کتنے ہی دشمن کیوں نہ ہوں، یہ سب دیکھے ہوئے ہیں علیؑ کی زندگی۔ جب تک عباسؑ ہے حسینؑ کو شکست نہیں ہو سکتی، کیونکہ علیؑ نے بھائی کے بارے میں کہا کہ میرے جیسا ہے، پہلی بات۔

دوسری بات کہ اگر کوئی ایسا بھی ہو لشکرِ یزید میں کہ کہے کہ کیا بحث کر رہے ہو، ہم نہیں مانتے علیؑ اور عباسؑ کی حدیثیں۔

تو اس میں جو چالیس سال سے اُوپر وہ اپنی آنکھوں سے عباسؑ کی شجاعت دیکھے ہوئے ہیں۔

بھئی ـــــ!

وہی صفین کی لڑائی جس کا تذکرہ آج شروع میں ہوا، اس میں شروع ہی میں ایک بات دشمنوں کی درخواست پر طے ہو گئی تھی، تقریباً ماحول یہ بنا تھا کہ لشکرِ معاویہ نے کہہ دیا تھا کہ اے ابوالحسنؑ! آپؑ ہمارے سامنے نہ آئیے گا؟

علیؑ جب بھی میدانِ صفین میں آئے، ایک لمحے میں علیؑ نے نقشہ پلٹ دیا۔ کچھ لوگ تو بڑے عجیب انداز سے علیؑ کے سامنے سے جان بچا کر گئے کہ علیؑ کو چہرہ پھیرنا پڑا اور موقع اچھا تھا ان کے لیے، لیکن ایک طرح سے یہ علیؑ سے طے ہو گیا تھا کہ اپنے لشکر کو ان سے لڑنے دیجیے گا مگر آپ نہیں جائیے گا۔ آپ اگر آ گئے تو جنگ

ہم جیت ہی نہیں سکتے۔

اور علیؑ نے بھی اس بات کا اقرار کرلیا کہ میں نہیں آؤں گا اور صفین کی لڑائی میں ایک دن اتنا وقت آ گیا، علیؑ کے لشکر کے قدم پیچھے ہٹتے جا رہے ہیں، اب کوئی نہیں سنبھال پا رہا علیؑ کے لشکر کو، تو ایک بار چہرے پہ نقاب ڈال کر گھوڑے پر سوار ہوئے کہ ایسا لگے جیسے کوئی سپاہی آیا کہ جواب تلوار اس نے چلائی، تو ایک ہی مرتبہ اس کی تلوار کے انداز کو دیکھ کر لشکرِ شام دو جملے کہنے لگا: پہلا جملہ یہ کہ علیؑ آ گئے، کیونکہ یہ تو وہی اندازِ شمشیر زنی ہے جو ہم نے بدر میں دیکھا، اُحد میں دیکھا، خندق میں دیکھا، خیبر میں سنا ہے۔

اب یہاں پہ کچھ لوگوں کو شعر و شاعری کا کچھ شوق لگ رہا ہے۔ جس انداز سے میری مجلس سے پہلے بہترین انداز میں کلام پڑھا جاتا ہے، پڑھنے والا پڑھتا ہے۔ اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ مجمع کتنی داد دے رہا ہے۔ تو اب ایک شاعر جانتا ہے کہ آپ غالب کے شعر کو کسی کے نام سے کسی کی شاعری میں چھپا دیجیے جسے شاعری سے شوق ہو تو وہ پکڑ لے گا کہ یہ شعر غالب کا نہیں لگتا۔ اسی طرح اگر آپ کسی کھلاڑی کو دیکھیں تو اس کے انداز سے پہچان لیں گے۔

ہر ایک کا ایک انداز ہوتا ہے۔ بدر و اُحد و خیبر و خندق کا مزہ چکھے ہوئے صفین میں آئے تھے۔ دو جملے کہے انھوں نے، جیسے ہی اُس نے ایک مرتبہ تلوار چلائی ہے تو کہا کہ یہ علیؑ آ گئے۔

اور دوسرا جملہ یہ کہا کہ علیؑ نے دھوکا دیا۔ ہمارا ان کا وعدہ تھا کہ وہ میدان میں نہیں آئیں گے۔ وہ چہرے پہ نقاب ڈال کر آ گئے میدان میں۔ ہمیں پتہ ہوتا کہ علیؑ آ رہے ہیں تو ہم کسی اور طرح کی جنگ کرتے۔

اور اس آنے والے نے تو چند لمحوں میں میدان کا نقشہ ہی پلٹ کر رکھ دیا۔

کہا کہ حاکمِ شام کا لشکر بھاگ رہا ہے تو یہ واپس آئے۔ لیکن بھاگنے والوں کی زبان پر ایک ہی جملہ ہے۔ علیؑ نے دھوکے سے کام لیا، علیؑ اپنے آپ کو چھپا کے ہمارے سامنے آئے اسی لیے ہم مار کھا گئے۔

اب سپاہی تو سارے بھاگ گئے اور ادھر وہ واپس آ رہا ہے اور ادھر سے علیؑ نکل رہے ہیں۔ یہ کیا ہو گیا؟ یہ دو علیؑ کیسے ہو گئے؟ ہم تو یہ سمجھ رہے ہیں کہ نقاب پہنے ہوئے علیؑ ہیں، یہ کون ہیں جو نقاب پہنے ہوئے ہیں؟ ایک بار میرے مولاؑ نے چہرے سے نقاب ہٹا لیا اور لوگوں نے دیکھا کہ علیؑ کا وارث عباسؑ علمدار گھوڑے پہ مسکرا مسکرا کر دیکھ رہا ہے اور علیؑ اُس کی پیشانی کا بوسہ لے رہے ہیں۔

یہ کب کی بات ہے؟ یہ بات ہے جنگِ صفین کی جب عباسؑ کی عمر بمشکل تمام بارہ یا تیرہ سال ہو گی۔

اچھا ـــــ!

مجلس میں بہت سارے لوگ ذاکر یا خطیب سے اختلاف کرنے والے بیٹھے ہوتے ہیں بلکہ ایک صاحب نے جل بھن کے کہا کہ مجمع نے واہ کس بات پہ کہہ دی کہ عباسؑ بارہ سال کے ہیں۔ چلیں چہرے پہ نقاب ہے مگر قد و قامت سے لوگوں کو پتہ نہیں چل سکا کہ یہ علیؑ نہیں۔

تاریخ میں لکھا ہے کہ علیؑ کا قد عام عربوں کے قد سے تھوڑا کم تھا اور عباسؑ کا قد جوانی میں اتنا طویل تھا کہ گھوڑے پہ بیٹھتے تھے تو رکاب کی ضرورت نہیں تھی، پاؤں زمین تک آتے تھے تو جب بارہ یا تیرہ سال کی عمر تھی اس وقت عباسؑ کا قد اتنا ہو چکا تھا۔ عباسؑ کا طویل قد لوگ بھول جاتے ہیں البتہ ان کو اچھی طرح یاد آتا جنھیں اگر کبھی خوش قسمتی سے موقع مل جائے۔ کربلا میں عباسؑ کی اصلی قبر کی زیارت کا، وہ قبر ایک بچے کی قبر کے برابر ہے۔

عباسؑ کا اتنا طویل قد لیکن جسم اتنا ٹکڑے ٹکڑے ہوا کہ جب دفن کیا گیا تو اتنی سی قبر میں آگئے۔ خلاصہ یہ کہ اب ابنِ زیاد نے جو سپاہی کربلا میں بھجوائے تھے ان میں سے جن کی عمر چالیس سال یا اس سے زیادہ تھی بلکہ پینتیس سال کیجیے۔ وہ صفین کی لڑائی میں خود دیکھ چکے ہیں کہ بارہ برس کا عباسؑ ایک اکیلا سارے لشکرِ شام کو بھگا کے آیا اور یہ تو عباسؑ کی چونتیس سال کی عین شباب کی عمر ہے جو بچپن میں اتنا شجاع تھا، اب جوانی میں اس کی کیا شجاعت ہوگی!

اور جو لوگ ابھی لشکر میں بیس یا بائیس سال والے ہیں، جنھوں نے صفین کی جنگ نہیں دیکھی، بلکہ اس وقت پیدا بھی نہیں ہوئے تھے ان کو بھی یہ یقین ہے، انھیں کیوں یقین ہے؟

ایک مہینہ پہلے کی جنگ دیکھ کر، ایک مہینہ پہلے کیا ہوا تھا؟ ایک مہینہ پہلے مسلمؑ نے کوفہ میں جہاد کیا تھا، آیت اللہ ابوالحسن اصفہانی، ہماری تاریخ مرجعیت کے بہت اہم مرجع ہیں۔ مجھے صرف دو مرجع ایسے ملے کہ جن سے امامِ زمانہؑ کا تحریری رابطہ مسلسل رہا۔ ایک شیخ مفیدؒ تھے اور ایک ابوالحسن اصفہانی تھے۔

مقدس اردبیلی اور علامہ بحرالعلوم کے ہاں انداز کچھ اور ہے لیکن یہ مرجع ایسے ہیں کیونکہ ان دونوں کا زمانہ شیعیت کے لیے بڑا مشکل زمانہ تھا۔ شیخ مفیدؒ کا زمانہ، آپ اندازہ کریں کہ شیخ مفیدؒ کا زمانہ عالمِ اسلام کے لیے اتنا خطرناک زمانہ تھا کہ دو مرتبہ حج بیت اللہ نہ ہوسکا۔

بہت سے لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ حج تو ہمیشہ ہی رہا اور جس سال حج نہیں ہوگا اس سال امامؑ آئیں گے۔ شیخ مفیدؒ کے زمانے میں دو مرتبہ حج رُک گیا۔ حالات اتنے خراب تھے مسلمانوں کے درمیان۔ شیخ مفیدؒ ہی کے زمانہ میں حجرِ اسود زبردستی اُکھاڑ کر بحرین کے علاقہ میں لے جایا گیا۔

اور ایک ابوالحسن اصفہانی کا زمانہ، یہ دوسری عالمی جنگ کا زمانہ تھا۔ اور اس وقت حالات ایسے تھے کہ ایک طرف برطانیہ چاہتا تھا کہ شیعیت کو بے وقوف بنا کر استعمال کرے اور دوسری جانب جرمنی چاہتا تھا نہ صرف یہ کہ پٹرول نکلا تھا بلکہ عراق کا پٹرول جو آج بھی عراق کے لیے کتنے مسائل لے کر آیا، بہانے کچھ بھی ہوں اصل مسئلہ پٹرول ہے۔

پہلی مرتبہ نکلا تھا اور جنگ میں ہر دشمن کو پٹرول کی ضرورت ہوتی ہے اور عراق کے بے تاج بادشاہ ہمارے مراجع ہوتے تھے۔

صدام ملعون کے آنے تک مرجعیت کی وہ شان تھی۔ صدام کے آنے کے بعد مظلومیت آئی مگر پھر وہی شان آ گئی۔ آیت اللہ سیستانی، وہی شان واپس آ گئی ہے۔ مگر آغا اصفہانی کو ایسا نازک زمانہ ملا لیکن امامؑ کی طرف سے رہنمائی ملتی رہی تحریری شکل میں۔ اور یہ ایک بہت بڑا مسئلہ ہے کہ صرف مرجع ہی یہ دعویٰ کر سکتا ہے اور باقی جو یہ دعویٰ کرے وہ جھوٹا ہے۔

تو آغا اصفہانی کا بہت اہم جملہ ہے۔ انڈیا اور پاکستان کے ایک مومن کے لیے، کہا کہ اہلِ بیت اطہارؑ میں جو ہے غیر معصوم ہیں ان میں سے بھی ہر ایک اتنا عظیم ہے کہ اگر کسی اور قوم کے پاس ہوتا (یہ غیر معصوم کی بات ہو رہی ہے) تو وہ اسے خدا مان لیتے۔

علیؑ کو چھوڑیں، عباسؑ کی عظمت، مسلمؑ بن عقیلؑ کی عظمت۔ لیکن چونکہ یہ ایسے خاندان میں پیدا ہوئے کہ جب سورج ہو تو ستارے نظر نہیں آتے۔ جب آسمان پر ہیں کہ توجہ ہی نہیں ہوتی کہ مسلمؑ کس کا نام ہے؟

توجہ ہے، مسلمؑ بھی بڑی عظیم شخصیت ہیں۔ اگر کسی اور قوم کو یہ غیر معصوم ملے ہوتے تو وہ ان کو خدا مان لیتی۔

جیسے میں اپنے مجتہدین کے حوالے سے کہتا ہوں، دوسری قوموں کے امام ایسے نہیں ہیں کہ جیسے ہمارے نائب امامؑ ہیں۔ وہ ہمارے اماموںؑ سے تو کیا مقابلہ کریں گے ہمارے یہ نائب امامؑ ان سے بہتر اور افضل ہیں۔

تو جو لوگ ایک مہینہ پہلے مسلمؑ کی جنگ دیکھے ہوئے ہیں، بہت عظیم مجاہد کا نام ہے مسلمؑ، جو معصومین نے ہمیں مسلم بن عقیلؑ کی زیارت بتائی، اس زیارت کے الفاظ وہی ہیں جو جنابِ عباسؑ کی زیارت کے الفاظ ہیں۔ کسی شاعر کا تخیل نہیں ہے، کسی خطیب کی لفاظی نہیں ہے۔

جس چھٹے امامؑ نے ہمیں جنابِ عباسؑ کی زیارت بتائی ہے جب کربلا جاؤ تو اس طرح زیارت پڑھو۔ انھوں نے ہی مسلمؑ کی زیارت سکھائی:

اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا الْعَبْدُ الصَّالِحُ الْمُطِيْعُ لِلّٰهِ وَلِرَسُوْلِهٖ

سارے وہی الفاظ ہیں جو عباسؑ کی زیارت میں آئے۔ وہ اکیلا مسلمؑ، کوفے کی ساری فوجوں سے ایک مہینہ پہلے لڑا۔ کربلا میں تو ایک دوسرے کی مدد کرنے والے تھے لیکن مسلمؑ اکیلا تھا۔

اور آپ کو معلوم ہے کہ محمد بن اشعث ابن قیس کو فوج کا سالار بنا کر بھیجا گیا جس کی بہن جعدہ ہے جس نے امام حسنؑ کو زہر دیا۔

پہلی فوج آئی اکیلا مسلمؑ، تنہا مسلمؑ، اتنی جنگ کی کہ اس نے فوراً ابن زیاد کو پیغام بھیجا کہ دوسری فوج بھیجے۔

کوفے کی ساری فوجیں ختم ہوگئیں۔ ابن زیاد نے تنگ آ کر اس سے ایک جملہ کہا: کہا کہ ایک آدمی کو پکڑنے کے لیے سارے کوفہ کی فوجیں؟ اور محمد بن اشعث کا جملہ آپ سنتے رہتے ہیں کہ اے ابن زیاد! تو نے مجھے کوفہ کے کسی عام آدمی کو گرفتار کرنے کے لیے نہیں بھیجا ہے بلکہ ہاشمی شہزادے کو گرفتار کرنا ہے۔

ساری فوجوں کے بعد بھی گرفتار کرلوں تو غنیمت سمجھنا اور نہیں گرفتار کر سکا۔ دھوکے سے گڑھا کھود کر مسلمؑ کو اس میں گرایا اور گرفتار کیا۔ تو ٹھیک ایک مہینہ پہلے، ابن زیاد کے سپاہیوں نے مزہ چکھا ہے کہ اکیلا مسلمؑ، سارے کوفہ کی فوجوں کے لیے کافی تھا۔ ہماری طاقت سے نہیں پکڑا گیا، صرف دھوکے کے ذریعے۔

تو جو بوڑھے ہیں وہ خیبر کی لڑائی میں علیؑ کی تلوار دیکھ چکے ہیں اور علیؑ کا فرمان ہے کہ عباسؑ میرا بیٹا ہے جو پینتیس سال والے ہیں وہ صفین میں عباسؑ کی تلوار کا مزہ چکھے ہوئے ہیں اور جو اس کے بعد پیدا ہوئے ہیں وہ ایک مہینہ پہلے۔ ابن زیاد کی فوج میں کوفہ میں مسلمؑ کا سامنا کیے ہوئے ہیں۔ جب اکیلے مسلمؑ کو نہ پکڑ سکے تو یہ تو مسلمؑ سے زیادہ بہادر ہے۔

ساری رات ایجنڈے پہ یہی نکتہ رہا کہ عباسؑ اگر حسینؑ کے ساتھ رہے تو کوئی طریقہ نہیں ہماری کامیابی کا، اور شکست یقینی ہے۔

اور آخر صبح کو یہ طے پایا کہ عباسؑ اس سپاہی کا نام ہے جو نہ تیر سے مارا جاسکتا ہے، نہ تلوار سے مارا جاسکتا ہے، نہ نیزے سے عباسؑ کو روکا جاسکتا ہے اور نہ برچھیوں سے، ایک ہی طریقہ ہے، مکروفریب سے کام لیا جائے۔ چنانچہ صبح کی نماز کے فوراً بعد شمر عباسؑ کے خیمے کے قریب آیا اور وہ عباسؑ کا خیمہ نہیں تھا، بلکہ حسینؑ کے خیمے میں عباسؑ تھے۔ فجر کی نماز ہوگئی۔ اب لشکر کے لیے آقا عباسؑ کو آقا حسینؑ سے ہدایت لینا ہے، شمر آکر کہتا ہے:

کہاں ہیں میری بہن کی اولاد! میرے بھانجے! یہ کوئی رشتہ داری نہیں ہے، یہ دھوکا اور مکروفریب ہے۔ دشمن آپ کا ہمدرد بن کر آئے گا۔ آپ کو تو پتا بھی نہیں چلے گا کہ یہ دشمن ہے۔

تو شمر نے کہا کہ کہاں ہیں میری بہن کے بیٹے! یہ دھوکا ہے۔ جناب اُم البنینؑ

کا شمر سے کوئی رشتہ نہیں ہے، زیادہ سے زیادہ یہ کہا گیا کہ دونوں ایک قبیلے کے ہیں مگر یہ بھی مشکل ہے۔ اس لیے کہ شمر بھی اُن چند لوگوں میں شامل ہے کہ جن کی ولدیت کا پتہ نہیں ہے۔ جب باپ کا پتہ نہیں ہے تو کیسے پتہ ہو کہ باپ کون سے قبیلے سے تھا؟

تو خلاصہ یہ کہ وہ آ کر کہہ رہا ہے کہ میری بہن کے بیٹے کہاں ہیں؟

یہ ساری رشتہ داریاں اس لیے یاد آ رہی ہیں کہ مکروفریب کا ہتھیار استعمال کرتا ہے۔ لیکن عباسؑ خاموش۔ پھر آواز آئی اور عباسؑ خاموش۔ مگر چہرے کا رنگ بدل رہا ہے۔ جلال کی وجہ سے جسم کانپ رہا ہے۔ جب تیسری مرتبہ یہ کہا تو حسینؑ نے کہا کہ جاتے کیوں نہیں؟ جاؤ جا کر شمر سے بات کرو۔

اب عباسؑ بولے: کہا کہ آقا! یہ ملعون اس سے اول تو کوئی رشتہ ہی نہیں ہے، اور اگر ہوتا بھی رشتہ تو جو آپ کا دشمن ہے میں اس سے کیسے بات کروں؟

حسینؑ نے کہا: عباسؑ! وہ رشتہ داری کا حوالہ دے رہا ہے اور اللہ کی بارگاہ میں رشتہ داری اتنی عظیم عبادت ہے کہ اگر کوئی جھوٹا حوالہ بھی لے کر آئے تو کم از کم جا کر اس کی بات تو سن لو۔

عباسؑ گئے، شمر نے کہا کہ عباسؑ! مبارک ہو، میں تمھارے لیے یزید سے امان نامہ لکھا کر لے آیا ہوں۔ چلے جاؤ اپنے گھر۔ بے اختیار عباسؑ نے کہا کہ میرا آقا حسینؑ؟؟

تو شمر نے کہا کہ ہم انھیں قتل کر کے رہیں گے۔

عباسؑ نے کہا: تف ہے تیری امان پر، میرے لیے امان لایا ہے اور میرے آقا کے لیے قتل کا حکم لایا ہے، مجھے نہیں چاہیے تیری امان۔

لیکن پتا کیا چلا؟ کہ لشکرِ یزید میں شب عاشور کی میٹنگ کہ جہاں کوئی ہتھیار

نہ چلے، وہاں مکروفریب کا ہتھیار چلاؤ اور مکاری کا ہتھیار کیا ہے کہ ہمدرد بن کے آؤ۔ مقصد ہو اپنے رہبر سے تمہیں دُور کرنا۔

اب اگر کربلا ہر دور میں زندہ ہے تو جس طرح چودہ سو سال پہلے، تیر وتلوار کے ہتھیار استعمال ہوئے لیکن ساتھ میں مکاری کا بھی، آج ہمارے خلاف تیر وتلوار چل رہے ہیں۔ پارہ چنار کے مومنین کو دیکھئے، افغانستان کے مومنین کو دیکھئے، عراق کے مومنین کو دیکھئے اور ساتھ میں مکاری کا ہتھیار بھی چل رہا ہے۔

دجال کہتے ہی اسے ہیں کہ جو دجل وفریب سے کام لے۔ دجال سے ہر آدمی بچنے کے بارے میں سوچتا ہے مگر اپنے اپنے زمانے کے دجال کا نشانہ بھی بنا ہوا ہے۔

ذکرِ مصائب

عباسؑ اس مجاہد کا نام ہے جو تیر وتلوار کا بھی اکیلے ایسے مقابلہ کرے کہ ایک عباسؑ سارے لشکرِ یزید کے سر ودماغ پہ سوار ہو۔ لیکن عباسؑ اس عظیم بندے کا بھی نام ہے کہ جو اطاعتِ امامؑ کا ایسا مظاہرہ کرے۔

دیکھئے ____!

اِدھر دشمن کے فریب کو کس طرح چاک کیا اور اُدھر آ کر دیکھئے! عباسؑ کو کہنا چاہیے تھا آقا! آپؑ مجھے روکتے رہیں تلوار چلانے سے، میں آپ کا ہر حکم مانوں گا خالی یہ نہیں مانوں گا اور یہ نہیں مانوں گا آپ کے خاندان کے لیے۔

مجھ سے بچوں کی پیاس نہیں دیکھی جا رہی۔ مجھ سے زینبؑ کی آنکھوں میں آنسو نہیں دیکھے جا رہے، مجھ سے اپنی گود کے پالوں کے لاشے نہیں دیکھے جا رہے۔

دیکھئے ____!

داغ ہیں، کلیجے پر صدمہ ہے لیکن علیؑ کی بیٹی کے انداز دیکھئے۔ ہاں زینبؑ کو اسلام کی خدمت کرنا تھی، حسینؑ کے لیے کربلا تھی۔ دس محرم ۶۱ ہجری اور زینبؑ کی کربلا تھی گیارہ محرم سے ربیع الاول تک کوفہ وشام کے درباروں اور بازاروں میں۔

یہ زینبؑ کی کربلا ہے۔ ہاں! یہ زینبؑ تھی جو امتحان دے رہی ہے۔ اس لیے اس کا انداز کچھ اور ہے مگر وہ زینبؑ کا غیرت مند بھائی حسینؑ ہے۔ جو یہ برداشت نہیں کر پا رہا کہ میری بہن پر نامحرموں کی نگاہیں اس انداز سے پڑ رہی ہیں۔ پورے واقعۂ کربلا میں آقاؑ نے معجزہ کہیں نہیں دکھایا، دکھایا تو خالی بازارِ کوفہ میں دکھایا جب نوکِ نیزہ پر کٹے ہوئے سر نے تلاوتِ قرآن شروع کر دی اور یہ اتنا عجیب واقعہ تھا کہ نامحرموں کی نظریں زینبؑ سے ہٹ کر حسینؑ کی طرف چلی گئیں۔ یہی مقصدِ حسینؑ تھا کہ میں تلاوتِ قرآن کروں تا کہ نامحرم میری بہن کو نہ دیکھیں۔

اور حسینؑ کا عمل بتا رہا ہے کہ زینبؑ کی بے پردگی حسینؑ کے لیے کتنا بڑا امتحان ہے۔

مولاؑ! اگر آپ کو معجزہ دکھانا تھا تو قاسمؑ کا بدن ٹکڑے ہوتے وقت معجزہ دکھاتے، اکبرؑ کے کلیجے میں برچھی کا پھل اترتے ہوئے معجزہ دکھاتے۔ معجزہ دکھایا تو یہاں دکھایا!

حسینؑ نے کہا کہ تمھیں کیا پتہ؟ قاسمؑ کے بدن کے ٹکڑے مجھے گوارا ہیں، اکبرؑ کے کلیجے کی برچھی کے لیے میں تیار ہوں، اصغرؑ کی شہادت میں دیکھ سکتا ہوں، مگر زینبؑ کی بے پردگی برداشت نہیں ہو رہی ہے۔ وہ تو پھر بھی آقا حسینؑ تھا، نوکِ نیزہ پر تلاوت کر کے توجہ ہٹالی۔

اور آقا عباسؑ! وہ تو نوکِ نیزہ پر جانے کو تیار نہیں ہیں، گیارہ محرم کو جب قافلہ کربلا سے چلا، شہیدوں کے کٹے سر نوکِ نیزہ پر چڑھائے گئے مگر ایک سر ہے جو

تین مرتبہ نوکِ نیزہ پر بلند کیا گیا، تینوں مرتبہ وہاں سے زمینِ کربلا پر گر گیا۔

عمر ابن سعد نے کہا: خولی! ہمیں دیر ہو رہی ہے، ایسا کرو کہ یہ سر اپنے گھوڑے کی گردن میں باندھ لو، پورا سفر اس سر نے اس طرح کیا کہ گھوڑے کی گردن میں بندھا ہے اور جب کہیں راستے میں گھوڑا سر جھکا کے دوڑتا ہے تو یہ کٹا ہوا سر زمین سے ٹکراتے ٹکراتے جاتا ہے۔

بعد از کربلا کسی نے مدینہ میں پوچھا: مولا سجادؑ! یہ کس کا کٹا سر تھا؟

مولا نے سر جھکا کر کہا کہ یہ میرے چچا عباسؑ کا سر تھا۔

راوی نے کہا: مولا! ایک بات بتا دیجیے وہ یہ کہ آقا عباسؑ کا سر آخر نوکِ نیزہ پر بلند کیوں نہ ہوا؟

فرمایا: تجھے نہیں پتہ کہ میرے چچا کتنا غیرت مند ہے، جس نے مکان کے صحن میں زینبؑ کو کھلے سر نہ دیکھا وہ نوکِ نیزہ سے درباروں اور بازاروں میں کیسے برداشت کرتا؟

میری شہزادی زینبؑ! اور نامحرموں کا مجمع اور بلوائے عام!

اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَیْهِ رٰجِعُوْنَ!

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ یَنْصُرْكُمْ وَ یُثَبِّتْ اَقْدَامَكُمْ ○ (سورۂ محمد، آیہ ۷)

وَقَالَ اَبُو عَبْدِ اللّٰهِ الْحُسَیْنِ: هَلْ مِنْ نَّاصِرٍ یَنْصُرُنَا

آج اتوار کا دن ہونے کی بنا پر آپ نے بھی کثرت سے مجالس میں شرکت فرمائی اور مجھے بھی اتنی زیادہ مجالس پڑھنا پڑیں اور ہر مجلس کے بانی کی یہ خواہش کہ مولانا چونکہ آج چھٹی کا دن ہے اور لوگوں کے پاس وقت ہے تو آپ مجلس مختصر نہ پڑھئے گا بلکہ پندرہ بیس منٹ زیادہ لیجیے گا۔ تو جس کی بنا پر آپ کو بھی احساس ہو رہا ہوگا کہ میری آواز ان شاء اللہ ساتھ دے رہی ہے۔

ابتدائے مجلس میں دو تین چیزوں کی وضاحت کر دی جائے۔ پہلی بات یہ کہ آج جاوا ہاؤس کی مجلس میں جن دو موضوعات کے بارے میں بات کی گئی تھی، وہ بھی جامعۃ المنتظر کی چوتھی اور پانچویں مجلس تھی۔ میں نے کہا تھا کہ یہ ایک مجلس میں نہیں آ سکتی ہیں۔ یہ میرے خمسۂ مجالس میں آئیں گی تو لاہور میں میں دو جگہ خمسۂ مجالس پڑھ رہا ہوں۔

دوسری گزارش یہ کہ ہر سال یہ ہوتا ہے اور ہوتا رہے گا کہ جیسے جیسے مجالس کا سلسلہ آگے بڑھتا ہے تو لوگوں کے اذہان میں سوالات پیدا ہوتے ہیں، تو مجھے ان

مجالس میں دو سوالات کا جواب دینا ہے۔

کل واقعہ اتنا بڑا موضوع تھا کہ جس کو ایک گھنٹے میں سمیٹنا مشکل تھا۔ میں نے ذرا جلدی جلدی بات کی، تو باقی ساری باتیں تو مومنین کی سمجھ میں آ گئیں تھوڑی سی یہ غلط فہمی پیدا ہوگئی کہ شاید تاریخ اسلام میں دو مرتبہ جو حج بند ہوا، ایک مرتبہ شیخ مفیدؒ کے زمانے میں اور ایک مرتبہ ابوالحسن اصفہانی کے زمانے میں۔ ابوالحسن اصفہانی کا زمانہ ہمارے زمانے سے بہت قریب ہے، ۱۹۴۵ء میں ان کا انتقال ہوا۔

کراچی میں تو ابھی بھی بہت سے بزرگ ہیں جو ان کی تقلید کر چکے ہیں تو بہت ہی ہمارے قریب زمانے کے مرجع تھے۔

لیکن حج جو میں نے بند ہونے کی بات کی، وہ صرف اور صرف شیخ مفیدؒ کے زمانے میں اور اصل بات یہ ہے کہ دو مرتبہ نہیں تین مرتبہ حج رُکا تھا۔ دو سال متواتر پھر حج شروع ہوگیا اور پھر چند سالوں کے بعد ایک سال اور —— اور کیوں؟ کس وجہ سے؟ چلیں باقی لوگ حج نہ کر سکے تو مکہ والے حج کر لیتے۔

اب یہ تاریخ حج ہے، تاریخ مرجعیت ہے جو کہ میرا عنوان نہیں ہے۔

لیکن ابوالحسن اصفہانی کے زمانے میں چاہے پہلی جنگ ہو، چاہے دوسری جنگ ہو —— اس عظیم مرجع نے ان دونوں جنگوں کا زمانہ دیکھا۔ پہلی عالمی جنگ کے وقت وہ مجتہد تھے اور دوسری عالمی جنگ کے وقت وہ مجتہد اعلم یعنی مرجع تھے۔ ان کے زمانے میں حج کا سلسلہ نہیں رُکا، تعداد کم ہوگی۔ حاجی بہت کم آئے۔

ابوالحسن اصفہانی کے کچھ حالات کسی اور تقریر میں آئیں گے لیکن یہ کل بعض سننے والوں کو دھوکا ہوا اور اب آیئے!

آخر میں ایک بات جو صحیح معنوں میں ایک سوال ہے ابھی یا تو زیادہ تر

وضاحتیں تھیں یا میری مجبوریاں تھیں۔ واقعاً ایک سوال، جو میرے موضوع سے بالکل ہٹ کر بھی ہے اور ایک طرح سے میرے موضوع کے اندر بھی ہے۔ لیکن سوال ایسا ہے کہ اکثر ذہنوں میں غلط فہمی پیدا ہوتی ہے۔

بہت ہی مختصر جواب دوں گا کیونکہ دو موضوعات ایسے ہیں کہ ان پر میں نے اتنی تقریریں کر لی ہیں کہ اگر میں بھولے سے بھی کبھی ان کی جانب چلا جاتا ہوں تو واپس آنے کا راستہ نہیں ملتا۔ ایک حج، حج کے عنوان پر پوری زندگی میں نے گزار دی۔ حاجیوں کی خدمت کرتے ہوئے جب ایک دفعہ میں چلا جاتا ہوں حج کے عنوان پہ تو واپس آنا بڑا مشکل ہوتا ہے اور دوسرا اس سے بھی زیادہ اہم وہ اپنے زمانے کے امامؑ کا تذکرہ اتنا اتنا کیا میں نے، اتنی برکتیں مجھے اپنی اس ذاتی زندگی میں اس ذکر کے صدقے میں ملیں کہ دل ہی نہیں چاہتا ہے کہ یہ ذکر کبھی بند کیا جائے اور چھوٹی چھوٹی بات بھی اگر میں بیان کرتا ہوں تو اتنی اس میں تفصیل آجاتی ہے کہ جس کی وجہ سے میں حتی الامکان کوشش یہ کرتا ہوں کہ جہاں کا پورا عنوان ذکرِ امامؑ ہو، وہاں تو میں بات کروں، لیکن جہاں یہ عنوان نہ ہو، وہاں چھوٹی سی بات بھی اگر بیان کرنے جاؤں گا تو وہ پوری تقریر کا وقت لے لے گی۔

لیکن کل جب میں نے ایک جملہ کہہ دیا تو اب میری ذمہ داری بن گئی کہ مختصر سہی مگر اس کی وضاحت کر دی جائے اور وہ جملہ یہ ہے کہ جب امامؑ کے آنے کے بعد ساری دنیا سے ظلم کا خاتمہ ہو جائے گا تو آخر وہ عورت کیسے بچے گی جو امامؑ کو شہید کرے گی؟ چلیں خیر! ابھی تو اتنا ہی سوال ہے، مجھے تو اپنی پرانی تقریر بھی یاد ہے۔

کہ جب لوگوں نے کہا کہ ہم نے تو آج تک سنا ہی نہیں کہ امامؑ کی شہادت کا بھی کوئی واقعہ ہوگا۔

الحمدللہ! اب اُردو میں اتنی کتابیں خاص کر اس امامؑ کے ذکر کی شائع ہو چکی ہیں اور پُرانی پُرانی کتابیں کہ جس کی وجہ سے یہ مسئلہ کہیں پہ سمجھانا نہیں پڑتا ہے کہ امامؑ کی شہادت ہوگی، بلکہ اتنا زیادہ یہ مشہور ہو چکا ہے کہ اکثر اِدھر اُدھر سے جھوٹی جھوٹی خبریں آتی رہتی ہیں کہ بھئی!

ظہور امامؑ بہت قریب ہے، اس کی دلیل یہ ہے کہ وہ عورت پیدا ہوگئی ہے جو امامؑ کو شہید کرے گی، یعنی اتنا زیادہ اس عورت کا حوالہ لوگوں کے ذہنوں میں آچکا کہ اب تو اس کی پیدائش کی خبریں دی جاتی ہیں۔

اور یہ تو طے شدہ بات ہے کہ طول عمر کا معجزہ امامؑ کا ہے اس عورت کا نہیں ہے تو اگر وہ عورت پیدا ہوگئی ہے تو اس کا مطلب ہے کہ پینتیس چالیس سال کے اندر اندر ہی امامؑ کا ظہور ہونا چاہیے۔

اچھا ــــ!

کبھی کبھار بڑے بڑے مراجع کا نام آجاتا ہے، تین سال پہلے یہ افواہ اتنی پھیل گئی تھی کہ آیت اللہ العظمیٰ شیخ تقی بہجت جیسے عظیم مرجع نے یہ خبر دے دی کہ ملیحہ یا سعیدہ پیدا ہوگئی۔

اور اتنا مسئلہ پیچیدہ بنا دیا گیا کہ اگرچہ مجھے یقین کامل تھا کہ یہ خبر جھوٹی ہے۔ ہمارے مراجع اس انداز کی باتیں بیان ہی نہیں کرتے لیکن لوگوں کو مطمئن کرنے کے لیے، آخر مجھے فیکس کرنا پڑا آیت اللہ تقی بہجت کے آفس میں، جواب لینا پڑا، تب جا کر لوگوں کو اطمینان ہوا کہ اس عظیم مرجع نے اس قسم کی کوئی بات نہیں کہی۔

لیکن میرے اتنے سے بیان کا مقصد یہ تھا کہ اب بچے بچے کو معلوم ہو چکا کہ ایک عورت ہوگی جو امامؑ کو شہید کرے گی تو لامحالہ اس کے بعد کا سوال ذہن میں آتا ہے کہ جب امامؑ شہید ہوں گے۔

تو اپنے جہاد کے پہلے مرحلے میں شہید نہیں ہوں گے وہ حکومت قائم کریں گے اور کئی سال، کسی روایت میں سات، کسی روایت میں چالیس، کسی میں ستر سال، کئی سال حکومت کرنے کے بعد شہید ہوں گے۔

یعنی جو مشن امام کو دیا گیا ہے، جب وہ مکمل ہو جائے گا تو پھر یہ صورت کیسے رہی؟ بہت مختصر جواب دینا ہے، اتنا دلچسپ موضوع ہے کہ اگر میں چلا گیا تو واپس نہیں آپاؤں گا اور اصل عنوان پیامِ کربلا میں بھی ابھی بہت اہم اہم باتیں رہ گئیں۔

تو بہت مختصر دو باتیں عرض کروں گا ظہور امامؑ کے حوالے سے، 99 فی صد روایات میں امامؑ کے جس مشن کا تذکرہ ہے وہ یہ ہے کہ امامؑ اس دنیا سے ظلم کا خاتمہ کریں گے، اور عدل سے اس دنیا کو بھر دیں گے۔

ہمارے یہاں اکثر نمازِ جمعہ کے دوسرے خطبے میں یہ حدیث پڑھی جاتی ہے کہ جب امامؑ کا نام آتا ہے کہ "اللہ ان کے ذریعہ سے، اس دنیا کو اس طرح عدل وانصاف سے بھرے گا، جیسے ان کے آنے سے پہلے ظلم و جور ہوگا"۔

اب دو جواب، زیادہ امامؑ کے بارے میں ظلم کا خاتمہ ہے کفر کا خاتمہ نہیں ہے۔ اور یہ دو الگ چیزیں ہیں، چنانچہ جو شریعت رسولؐ لے کر آئے امامؑ اسی شریعت کو نافذ کریں گے، نئی شریعت نہیں لائیں گے، لوگوں کو لگے گا کہ یہ نئی شریعت ہے، کیونکہ لوگ پیغمبرؐ کی لائی ہوئی شریعت سے اتنا لاعلم ہو چکے ہیں کہ اگر ابھی شریعت رسولؐ کی بات کریں تو لوگوں کو نئی بات لگتی ہے، بلکہ میرا اعشرہ بھی ہے۔

اور یہاں بھی ایک مرتبہ خمسہ مجالس میں اس کو touch کیا تھا کہ پیغمبرؐ کا لایا ہوا اسلام اور جو ہم نے اپنے معاشرے میں بنا لیا ہے اس میں بہت زیادہ فرق آ گیا ہے۔ تو اب پیغمبرؐ کے اسلام کی ہر بات ہمیں نئی لگتی ہے۔ یقین نہیں آتا کہ

اچھا یہ بھی اسلام میں واجب ہے۔

حتیٰ یہ کہ ایران کا یہ اسلامی انقلاب نہ آتا اور حضرت آیت اللہ العظمیٰ امام خمینی اتنا عظیم جہاد نہ کرتے تو خمس کا مسئلہ بھی ہمارے ہاں کچھ لوگوں کے لیے نیا مسئلہ تھا، تقلید کا مسئلہ بھی بڑا نیا مسئلہ تھا، پوری فہرست میں گنوا سکتا ہوں۔ چنانچہ یہ ہماری لاعلمی ہے، امامؑ کا تو مشن ہی یہ ہے کہ دین رسولؐ لے آئے، امامؑ اس دین کا محافظ بھی ہے اور اس دین کا مروج بھی ہے کہ وہ اسی کو رائج کریں گے اور رسولؐ کی لائی ہوئی شریعت میں۔ اہلِ کتاب اگر جزیہ دینے پہ تیار ہو جائیں تو وہ قتل نہیں کیے جائیں گے۔ انھیں اپنے دین سے ہٹایا نہیں جائے گا، انھیں اجازت دی جائے گی کہ جزیہ دو اور اس کے بعد اسلامی دنیا میں رہ کر نا صرف یہ کہ اپنے دین پر عمل کرو، بلکہ شراب اور خنزیر جیسی نجس العین اور حرام چیزیں بھی تم اپنے علاقے میں استعمال کر سکتے ہو۔

اور ہمارے ہاں تو ہر آدمی جانتا ہے کیونکہ مباہلہ کے واقعے میں ہم یہی پڑھتے ہیں کہ نجران کے عیسائیوں نے شکست تسلیم کر لی، تو ان کی شکست یہ نہیں تھی کہ اب مسلمان ہو جاؤ۔ ان کی شکست یہ تھی کہ جزیہ دینے پر تیار رہو اور جاؤ اپنے دین پر عمل کرو۔

یہی امامؑ، زمانہ کا امامؑ، اپنے دور میں شریعت نافذ کرے گا جس کے اندر غیر مسلموں سے الگ طریقے سے ڈیل کی جائے گی۔ اہلِ کتاب کے ساتھ وہی حکم چلے گا اور ملیحہ ہو کہ سعیدہ تمام روایات متفق ہیں کہ یہ ایک یہودی عورت ہے بلکہ ربط ملایا ہے بعض علماء نے کہ پہلے معصومؑ کو بھی ایک یہودی عورت نے زہر دیا تھا اور آخری معصومؑ کو بھی ایک یہودی عورت شہید کرے گی۔

تو امامؑ اس دنیا میں ظاہر ہونے کے بعد یہودیوں اور عیسائیوں کو باقاعدہ

اجازت دیں گے کہ اپنی اپنی شریعت پہ عمل کرو۔ چنانچہ خالی ملیحدہ اور سعیدہ نہیں، ایک کثیر تعداد میں عیسائی اور یہودی رہیں گے۔

چنانچہ اس عورت کا یہودی ہونا اس کی جان بچانے کا سبب بنا اور دوسری بات (یہ بعض علماء کا نظریہ ہے) وہ یہ کہ امامؑ کے اس دنیا میں آنے کے بعد اس دنیا میں عدل آئے گا، لیکن کہیں اِکا دُکا ظلم پایا جائے گا۔

یہ سارے علماء کا نظریہ نہیں ہے، اس لیے اس نظریہ سے آپ کو کوئی اتفاق نہیں ہے۔ یہ تو کوئی غلط بات نہیں ہے لیکن جو علماء یہ کہتے ہیں کہ کہیں کہیں ظلم رہے گا وہ دلیل یہ لاتے ہیں کہ امامؑ کا جہاد جو بعض روایات میں آیا ہے اور خطبے کے جملہ میں پڑھا جاتا ہے: "اللہ اُن کے ذریعہ سے دنیا کو عدل سے اس طرح بھر دے گا جس طرح پہلے دنیا ظلم سے بھری ہوئی ہوگی"۔

اور ظہورِ امامؑ سے پہلے، سو فی صد دنیا ظالم نہیں ہوگی، ۹۹ فی صد دنیا ظالم ہوگی۔ تو ساری دنیا میں ظلم ہونے کا مطلب سو فی صد ظلم نہیں ہے، بلکہ کہیں کہیں عدل بھی ہے، ایک فیصد عدل ہے۔

روایت کہتی ہے کہ جس طرح غیبت میں ظلم تھا، اس طرح ظہور کے بعد عدل ہوگا۔ ایک فیصد غیبت میں عدل تھا اور ایک فیصد ظہور کے بعد ظلم ہوگا۔ یہ بعض علماء کا نظریہ ہے، سب علماء کا نہیں۔

اگرچہ اس کا مرجعیت سے تعلق نہیں ہے۔ تو آپ کو اختیار ہے کہ چاہے اسے مانیں، چاہے نہ مانیں، لیکن جو علماء یہ نظریہ رکھتے ہیں کہ ایک فیصد ظلم ہوگا وہ علماء یہ کہتے ہیں کہ اس ظلم میں وہ عورت ملیحدہ یا سعیدہ بھی شامل ہے۔

تو پہلی بات سب علماء جانتے ہیں اور دوسری بات بعض علماء مانتے ہیں۔

انقلابِ اسلامی ایران، انقلابِ اسلامی عراق، انقلابِ اسلامی لبنان، آیت اللہ

خامنہ ای، آیت اللہ سیستانی اور مجاہد کبیر شیخ حسن نصر اللہ یہ تو سارے اپنی جگہ ہیں، مگر ظہورِ امامؑ کی ایک نشانی یہ ہے کہ خالی ایران سے لے کر لبنان تک نہیں بلکہ دنیا کے ہر خطے میں ایسے مقدس انسان ہوں گے جو اپنے اپنے علاقوں میں ظہورِ امامؑ کی تیاری لوگوں کو کروا رہے ہوں گے۔ پاکستان، ہندوستان، چین، کوریا، جاپان، انڈونیشیا، آسٹریلیا، امریکا، کینیڈا، یورپ ـــــ! ہر جگہ ایک مختصر گروہ ہوگا جب تک یہ مختصر گروہ پیدا نہیں ہوگا اس وقت تک امامؑ آئیں گے ہی نہیں۔

تو بہر حال ـــــ!

یہ موضوع ہمارے اصل موضوع سے اتنا غیر متعلق نہیں ہے۔ تو ایک وہ حدیث سن لیجیے کہ جسے آپ کے سامنے بیان کر کے پیامِ کربلا میں جو پہلے دو دن ہیں ان سے ربط ملاتا اور وہ یہ کہ یہ حدیث بھی تو آخری زمانے کے بارے میں ہے۔ ایک تو وہ حدیث ہے کہ ہر علاقہ میں کچھ انقلابی مرد ہونے چاہیے جو سارے معاشرے سے ہٹ کر ہوں۔ جب ہر طرف گمراہی پھیل رہی ہو تو وہ ثابت قدم ہوں اور خالی خود عمل نہیں کر رہے ہوں بلکہ دوسروں تک پیغام پہنچا رہے ہوں۔

مگر یہ مختصر گروہ چھوڑ دیجیے۔ باقی لوگوں کی عادت کیا ہوگی؟ بلکہ امامؑ فرماتے ہیں اور امامؑ بھی وہ کہ جو وارثِ کربلا ہیں، جنھوں نے آ کر اپنے باپ کو دفن کیا اور اپنے باپ کے مشن کو کوفہ و شام کے بازاروں میں کامیاب کیا۔ حضرت امام زین العابدین علیہ السلام کی ایک حدیث (چوتھے امامؑ کی مصائب کی احادیث بہت مشہور ہیں) لیکن باقی حدیثیں ذرا کم پڑھی جاتی ہیں جب کہ صحیفۂ کاملہ ہی میں چوتھے امامؑ نے اسلام ایسا سکھایا کہ اگر خالی صحیفۂ کاملہ انسان پڑھ لے تو پورا دین اس کی سمجھ میں آ جائے گا۔ یہ پینتیس سال بابا کا ماتم کرنے کے درمیان جیسے یہ ایک تصور قائم ہے کہ نعوذ باللہ چوتھے امامؑ صرف ماتم کرتے رہے، روتے رہے۔

دیکھئے ـــــــ!

دلیل ہر ایک کے پاس ہے، نعوذ باللہ مومن کا مقابلہ حصین بن نمیر جیسے ظالم سے نہیں کر رہا ہوں، لیکن ہر ایک کے پاس ہے۔ حصین بن نمیر وہ ظالم ہے کہ جس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ کلیجۂ اکبرؑ میں برچھی کا پھل اس نے اُتارا۔ حصین بن نمیر وہ آدمی ہے کہ جب یزید نے مدینہ پہ حملہ کیا تو حصین بن نمیر اُس وقت ڈپٹی کمانڈر چیف تھا۔ روضۂ رسولؐ میں گدھے اور گھوڑے باندھنے والا، منبر رسولؐ پر بندر اور کتے بٹھانے والا، قبرِ رسولؐ پر دستر خوان بچھا کر شراب پلوانے والا، تاریخ الخلفاء اُردو میں ہے جا کر پڑھ لیجیے۔

اس کے بعد یہ کعبہ پر حملہ کرتا ہے، اللہ نے ہر کافر سے کعبہ کو بچایا مگر دو بار کعبہ ٹوٹ کر گرا اور وہ بھی مسلمان کے ہاتھ سے۔ کربلا، مدینہ، مکہ اس نے چھوڑا کیا؟ اس کے باوجود بھی وہ کیا کہتا ہے: کہتا ہے کہ میں نے کوئی گناہ نہیں کیا۔ میں نے تو وہی کیا ہے جو قرآن کہہ رہا ہے اور اس نے وہی آیت پڑھی جو آپ کے بچے بچے کو یاد ہے:

يَآيُّهَا الَّذِينَ اٰمَنُوٓا اَطِيعُوا اللّٰهَ وَ اَطِيعُوا الرَّسُولَ وَ اُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ (النساء، آیہ ۵۹)

خدا کہتا ہے کہ اپنے حاکم کی اطاعت کرو، میں نے اپنے حاکم کے حکم کی اطاعت کی۔ تو دلیل تو ہر ایک کے پاس ہے مگر دیکھنا یہ ہے کہ صحیح دلیل کون سی ہے؟ اور غلط دلیل کون سی ہے؟

لیکن سوال یہ ہے کہ عزاداری کسے کہتے ہیں؟ سجادؑ جیسا عزادار بنو، سجادؑ حسینؑ کا وہ عزادار ہے کہ جس کے برابر آج تک کسی نے ماتم نہیں کیا اور عبادت اتنی کر رہا ہے کہ چہاردہ معصومینؑ میں زین العابدینؑ اس کا لقب ہے اور

سید الساجدینؑ اس کا لقب ہے۔ سب سے زیادہ سجدے بھی سجادؑ نے کیے، سب سے زیادہ عبادت بھی سجادؑ نے کی ہے۔ سب سے زیادہ ماتم بھی سجادؑ نے کیا۔ عزادار بننا ہے تو سجادؑ جیسا عزادار بنو کہ نمازیں بھی ہیں، عزاداری بھی ہے، صحیفۂ کاملہ یہ بتانے کو کافی ہے۔

نعوذ باللہ میں کوئی عزاداری کے خلاف بات نہیں کر رہا ہوں۔ اب میں اپنے موضوع سے ذرا ہٹا کہ صحیفۂ کاملہ کی ایک دعا اُردو ترجمہ کے ساتھ ضرور پڑھئے گا۔ موجودہ حالات میں۔

جب مجاہدین سرحدوں پر مملکت اسلامیہ کا دفاع کر رہے ہیں اور مدینہ میں بیٹھ کر چوتھا امامؑ ان کے حق میں دعا کر رہا ہے۔ دعا کے الفاظ یہ ہیں:

"پروردگار! ان ظالموں کو ایک دوسرے کے ساتھ لڑا، مسلمانوں سے ان کی توجہ ہٹ جائے، ان پر ایسی بیماریاں نازل کر"۔

بہت عظیم دعا ہے، ہر مجاہد کے لیے، کہ جن کی اکثریت امامؑ کی امامت کو نہیں مانتی تھی لیکن جب مسئلہ عالمِ اسلام کا ہوتا ہے۔ علیؑ نے پہلوئے زہراؑ پر کوڑا برداشت کر لیا اتحاد کی خاطر اور چوتھے امامؑ نے صحیفۂ کاملہ میں ایسی دعا ارشاد فرمائی۔

دعا سے بڑی طاقت اس دنیا میں کوئی نہیں۔ آپ کے سامنے کی بات ہے کہ جب حزب اللہ پہ حملہ کیا اسرائیل نے تو لوگوں نے کہا کہ اے شیخ حسن نصراللہ! ہم آپ کی کیا خدمت کریں؟

تو آپ نے کہا کہ دعائے جوشن کبیر ہمارے لیے پڑھو، ہمیں صرف یہ مدد چاہیے۔ البتہ خاص اس وقت جب میں نے چوتھے امامؑ کا ذکر چھیڑا ہے، وہ اس لیے کہ ایک حدیث جو بہت مشہور ہے اور وہ حدیث یہ ہے کہ امامؑ فرماتے ہیں کہ

آخری زمانے میں اگر کسی مومن سے کہو کہ اپنے ہاتھ پر جلتی ہوئی آگ رکھ کر صبح سے شام تک کھڑا ہو جائے، یہ اس کے لیے بہت آسان ہوگا لیکن اگر اس سے کہا جائے کہ ایک دن صبح سے شام تک اپنے ایمان کو بچا کر لائے تو یہ کام اس سے نہیں ہوگا۔

اور انہی امامؑ کی ایک دوسری حدیث ہے، ایک جملے کے اضافے کے ساتھ کہ کتنے لوگ ایسے ہوں گے جو صبح مومن ہوں گے اور شام کو ایمان ان کو چھوڑ کر جا چکا ہوگا۔ جیسے کوئی آنکھ میں سرمہ ڈالے، صبح اُٹھے تو اس کو پتہ نہیں چلے گا کہ سرمہ کب اس کی آنکھ سے اُڑ گیا۔

وہ اپنے آپ کو مومن سمجھ رہا ہے اور وہ بھی اپنے آپ کو مومن ہی سمجھ رہا ہے۔ ایک غلط عقیدہ، ایک نظریہ کتنے مومنوں کو روزانہ ایمان سے خارج کر دیتا ہے۔ یہ مشکل ترین زمانہ جو آئے گا جس میں ایمان بچانا مشکل ہوگا۔ اب یہاں پر وہ غلطی نہ کریں جو شیطان نے کی اور شیطان نے یہ غلطی کی کہ اس کے لیے ذرا سا ایک روایت کو تفصیل سے سننا ہوگا۔

بہت پرانی کہانی ہے، آدمؑ سے بھی پہلے کی، اس دنیا میں جن رہتے تھے اور جب وہ خدا کے نافرمان ہوئے تو ان پر دو طرح کا عذاب آیا۔ کچھ کو نیست و نابود کر دیا اور کچھ کو شہروں سے نکال کر جنگلوں میں بھیج دیا گیا۔ نظر آنے والے جنوں کو آنکھوں سے پوشیدہ کر دیا گیا۔ یہ بھی ایک عذاب ہے لیکن واقعاً کمال کیا جنوں نے۔ ایک جن عزازیل کسی معاشرے میں رہ کر اکیلا اگر دین پر قائم رہے تو بڑے کمال کی بات ہے۔ پانچ سات، دس ہوں پھر بھی حوصلہ ملتا ہے۔ ساری قوم ایک طرف، اکیلا آدمی ایک طرف۔

آج ہمارے کتنے مسائل اسی جملے سے پیدا ہوتے ہیں تو اکیلا عزازیل،

اکیلے اس نے خدا کی عبادت کی اور اس پر قائم رہا اپنی قوم کے برعکس، اور کربلا کا پیغام بھی یہی ہے کہ سارا معاشرہ ایک طرف اور اگر حق کی خاطر لڑنا پڑے تو سب سے لڑو۔

جب سنان سے مختارؒ نے پوچھا کہ اے سنان! تو نے اتنے بڑے بڑے ظلم کیے، آخر کیوں؟

تو اس نے کہا کہ چونکہ سب کر رہے تھے اس لیے میں نے بھی کیا۔

تو عزازیل اتنا قابلِ تعریف جن، اللہ نے کہا: اے جبرئیلؑ! یہ اتنا مقدس میرا بندہ ہے کہ جنوں کو چھوڑیں، فرشتوں میں بھی کوئی اس قابل نہیں کہ جو اس کی برابری کرے۔ جاؤ اس کو اپنے ساتھ رکھو۔ دن گزرتے رہے، اب ایک فرشتے نے پہلے آسمان پر ایک نوٹس لگا ہوا دیکھا اور وہ نوٹس یہ تھا کہ ایک ایسا میرا بندہ جو بظاہر تو میری بڑی عبادت کرے گا اور میرا بڑا خیال کرے گا لیکن میں اس پر کائنات کا سب سے بڑا عذاب نازل کروں گا۔

تو پہلے آسمان والے فرشتے کا جسم کانپ اُٹھا۔ فرشتوں پہ عذاب نہیں آتا لیکن جسم کانپ اُٹھا کہ یہ اعلان کہیں میرے بارے میں نہ ہو، گھبرا گیا وہ۔

ارے۔۔۔۔!

یہ عقیدہ ایسا ہے کہ جو فرشتوں کو پتا ہے مگر یہ بدقسمت مسلمان ہیں کہ جن کی عقل پہ پتھر ہیں وہ کیا عقیدہ ہے؟

اسے پتا ہے کہ اللہ کی بارگاہ میں وسیلے کے ساتھ جانا پڑتا ہے، اس نے دعا کی: خداوندا! مجھے بچا لے لیکن نہیں۔ خالی دعا کافی نہیں ہے بلکہ وسیلہ لینا ہے اور وسیلہ اپنے سے بڑا ہوتا ہے، دوسرے آسمان کے فرشتے سے رابطہ کیا۔ اے بھائی! ایک کام میرا کر دے اور وہ یہ کہ میرے حق میں دعا کر دے اور اس کے ہاں وسیلہ

چلے گا اور تم مجھ سے بڑے ہو، دوسرے آسمان کے فرشتے نے گھبرا کے کہا:

بھائی! میں تیرے لیے کیسے دعا کروں؟ یہ اعلان پڑھ کر تو مجھے اپنے بارے میں فکر ہو رہی ہے، کہیں میں ہی وہ نہ ہوں کہ جس پہ عذاب آنے والا ہے۔

غرض یہ تیسرا، چوتھا، پانچواں، چھٹا، ساتواں ملائکہ مقربین، ملک الموت کے پاس گئے تو وہ گھبرا گیا۔ میکائیلؑ گھبرا گیا، آخر سارا مجمع جبرئیلؑ کے پاس گیا کہ تم فرشتوں میں سب سے بڑے ہو، براہِ راست اللہ سے رابطہ ہے، ہمارے حق میں دعا کرو۔

جبرئیلؑ جیسا معصوم فرشتہ بھی کانپ اُٹھا، کہا: کہ اس پہ نام نہیں ہے کہ کس پہ عذاب آنے والا ہے، کہیں میں ہی وہ نہ ہوں جس پہ عذاب آنے والا ہے؟

اب فرشتوں نے گھبرا کر کہا کہ پھر کدھر جائیں؟ اب جبرئیلؑ نے کہا کہ ہے ایک میرا پڑوسی عزازیل، اس کے پاس چلو۔

اب اس نے بھی یہ منظر دیکھا اور پوچھا کہ کیا ماجرا ہے؟

جبرئیلؑ نے کہا کہ اللہ کا عذاب پڑھا ہے ہم نے جو ایک بندے پر آ رہا ہے، ہم گھبرا گئے ہیں کہ کہیں یہ ہمارے بارے میں نہ ہو۔ تمھارا بڑا رتبہ ہے، ہمارے حق میں دعا کرو کہ یہ اعلان ہمارے لیے نہ ہو۔

تو عزازیل نے ہاتھ اُٹھا کر دعا کر دی کہ خداوندا! یہ سب تجھ سے ڈر رہے ہیں کہ انھیں اپنے عذاب سے بچا لے۔

امامؑ معصوم فرماتے ہیں کہ اللہ نے یہ دعا قبول کی اور ان میں سے کسی پہ یہ عذاب نہیں آیا۔

راوی نے کہا کہ کیا اللہ نے اپنا اعلان بدل دیا؟

امامؑ نے فرمایا کہ نہیں، اللہ نے دعا کو قبول کر کے سب کو عذاب سے بچایا

لیکن اللہ نے اپنا اعلان بھی پورا کیا۔

راوی نے کہا کہ وہ کیسے؟

کہا کہ یہی عزازیل جس سے ایک بھول ہوئی، ہر فرشتہ پہلے اپنے لیے پریشان تھا اور عزازیل سے بھول یہ ہوئی کہ میرے اُوپر تو عذاب آ ہی نہیں سکتا۔

یہی عزازیل ہے کہ جب دھکے دے کر اسے نکالا گیا اور یہ رحمتِ خدا سے مایوس ہوا تو ابلیس قرار پایا کیوں کہ ابلیس کے معنی ہیں مایوس اور جب چھپ چھپ کر بہکانے لگا تو شیطان قرار پایا۔

امامؑ فرماتے ہیں کہ یہ شیطان کی غلطی دیکھی کہ جب کوئی عذاب کی آیت آئی، جب کوئی عذاب کا اعلان آیا تو ہر فرشتے نے پہلے سمجھا کہ یہ میرے لیے ہے دوسروں کو نہیں دیکھا اور شیطان نے یہ سمجھا کہ میرے لیے نہیں ہے بلکہ دوسروں کے لیے ہے۔

خبردار ــــــ!

یہ غلطی نہ کرنا جو ہم اور آپ بھی کرتے ہیں، فرشتوں کی سیرت یہ ہے کہ پہلے اپنے آپ کو شامل کرو، پہلے خود کانپ اُٹھو، کہیں یہ میرے لیے تو نہیں ہے اور شیطان کی بھول عمرابن سعد کی بھی بھول ہے ــــــ (صلواۃ)

جب مولاؑ نے کہا تھا، دو روایتوں میں ہے، ایک میں یہ کہ اس کے باپ سے کہا کہ تیرا بیٹا میرے بیٹے کے قتل میں شریک ہوگا اور ایک میں ہے کہ خود اس سے کہا تھا، گھبرا کے کہتا ہے کہ یہ تو ہو ہی نہیں سکتا۔ میدانِ کربلا میں پہلا تیر اُسی نے مارا تھا اور خالی تیر نہیں پھینکا بلکہ پورے لشکر کو گواہ بھی بنایا کہ یزید کے سامنے گواہی دینا کہ پہلا تیر میں نے پھینکا۔

اتنا بے حیا تھا کہ جب حسینؑ نے کہا تھا کہ اے عمرسعد! میرا جوان مقتل کی

طرف جارہا ہے اور تو کھڑا دیکھ رہا ہے، اللہ تیری نسل کو قطع کرے، تب بھی مسکراتا رہا۔ اور جب جنابِ زینبؑ نے آواز دی تھی اے عمر سعد! میرا ماں جایا تیرے سامنے ذبح کیا جارہا ہے، رسول کا بیٹا تیرے سامنے مارا جارہا ہے اور تو کھڑا دیکھ رہا ہے۔ اُس وقت بھی بے حیائی سے مسکراتا رہا۔ جب اعلان سنا تھا تو گھبرا کے کہا تھا کہ اس دن سے پہلے مجھے موت آجائے۔ لیکن کیسے آدمی بدلتا ہے!

شیطان والی غلطی نہ ہو بلکہ فرشتوں والی سنت ہو کہ سب سے پہلے اپنے بارے میں دیکھیں، اپنے بارے میں سوچیں اور اپنے بارے میں چیک کریں۔ ایک بھول شیطان اور یزید کی مشترکہ ہے۔ یزید یہ سمجھا کہ جہاد کربلا کربلا میں مکمل ہو گیا تھا جبکہ اصل جہاد تو کربلا کے بعد شروع ہوا تھا۔ شیطان کی بھول یہ ہوئی کہ اس نے اپنے بارے میں نہ سوچا بلکہ دوسروں کے بارے میں گمان کیا۔

ہر دعا میں پہلے اپنے لیے نہ مانگو پہلے دوسروں کے لیے مانگو، حاجتوں کی دعا ہمیشہ اصولی ہے پہلے دوسروں کے لیے مانگو پھر اپنی حاجت پیش کرو، سوائے ایک دعا کے، گناہوں کی توبہ والی دعا میں ہمیشہ پہلے اپنے لیے دعا مانگو، پھر کسی اور کی جانب متوجہ ہو۔

ذکرِ مصائب

بہت بڑا عنوان میں نے سمیٹ دیا ایک جملے میں تو یزید اور شیطان کی بھول ـــــ یزید نے بھی اوروں کو بہت کمزور سمجھا کہ یہ چند قیدی عورتیں، یہ چند یتیم بچیاں، ایک کے رخسار پر طمانچہ ماریں گے اور ایک کے بدن پہ کوڑا ماریں گے۔

آپ کو یہ روایت تو یاد ہے کہ کس کے رخسار پر طمانچہ لگا، شاید یہ یاد نہ رہے کہ کس کے بدن پہ کوڑا لگا؟

جب مختارؒ نے خولی سے پوچھا کہ یہ بتاؤ کہ تو نے کیا کیا؟ تو ایک جملہ اس کا یہ تھا کہ میں وہ آدمی ہوں کہ جس نے زینبؑ کی چادر چھینی تھی مگر جب اتنا سا جملہ آپ کو تڑپا گیا تو اگلے جملے کو سن کر آپ کی کیا حالت ہوگی؟

مختارؒ نے کہا کہ یہ چادر تو نے چھینی کیسے؟

کہا کہ جب میں گیا، پورے لشکر یزید میں ایک سے ایک ظالم، ایک سے ایک شقی مگر یہ ہمت کسی میں نہ تھی کہ چادرِ زینبؑ پر ہاتھ ڈالتا۔

ہر ایک کو پتا ہے کہ زینبؑ کون ہیں؟ یزیدیوں میں سے کوئی ہمت نہیں کر رہا ہے۔ خولی کہتا ہے کہ میں آگے بڑھا اور چادر کھینچنا چاہی۔ علیؑ کی بیٹی نے اپنی چادر کو اتنی مضبوطی سے تھام لیا۔ کہتا ہے کہ میں پورا زور لگا کر تھک گیا مگر چادرِ زینبؑ نہ چھین سکا۔ جب کسی طرح بھی زینبؑ اپنی چادر چھوڑنے پہ تیار نہیں تو میں نے کوڑا اُٹھا کر زینبؑ کے چہرے پہ اس طرح مارا کہ خون جاری ہوا تو میں چادر کو چھین لیا مگر خولی کا کوڑا زینبؑ کے چہرے کو زخمی کر گیا۔

سکینہؑ کے رخسار کے طمانچے آپ نے سنے، مگر زینبؑ کے چہرے پہ زخم آیا۔

عزادارو ــــ!

یہی وہ منزل ہے جہاں پر عباسؑ کو دودھ پلانے والی ماں اُم البنینؑ، دشمن اہلِ بیتؑ کی گواہی ہے کہ میں ایک دن بقیع کے قبرستان سے گزر رہا تھا کہ بقیع کے مین گیٹ کے بالکل سامنے محلہ بنی ہاشم ہے۔ مروان جیسا دشمن اہلِ بیتؑ کہتا ہے: میں نے دیکھا محلہ بنی ہاشم کے ایک گھر کا دروازہ کھلا اور ایک ضعیفہ جس کے چار جوان بیٹے مارے جائیں، عصا کے سہارے، سر سے لے کر پاؤں تک کالا لباس پہنے، بڑی مشکل سے بقیع کے قبرستان میں داخل ہوئی اور اس قبر پہ اپنے آپ کو گرا دیا جو شہزادی کی قبر کہلاتی ہے اور فریاد کی: شہزادی! میں آپ کو آپ کے بیٹے عباسؑ

کا پرسہ دینے آئی ہوں۔

مروان چونک اُٹھا اور کسی سے پوچھا کہ اتنا تو میں بھی جانتا ہوں کہ عباسؑ زہراؑ کا بیٹا نہیں ہے، اُم البنینؑ کا بیٹا ہے تو پھر یہ کون خاتون ہے جو محلہ بنی ہاشم سے نکل کے آئی؟

مدینہ والوں نے سر پیٹ کے کہا کہ یہ عباسؑ کی ماں اُم البنینؑ ہی ہیں اور اس لیے عباسؑ کا پُرسہ فاطمہؑ کے پاس لائیں ہیں کہ فاطمہؑ زہراؑ نے ہمیشہ کہا: عباسؑ، حسنؑ و حسینؑ کے بعد میرا تیسرا بیٹا ہے، عباسؑ میرا لعل ہے، عباسؑ کا پُرسہ دینا ہے تو مجھے آ کے دو۔

اور پھر اُم البنینؑ نے چہرہ اٹھایا اور کربلا کا رُخ کیا اور عجیب جملہ کہا:

عباسؑ! دنیا آ کے مجھے تیرا پرسہ دے دیتی، میں باتیں سب کی سنتی اور یقین کسی پر نہ کرتی کیونکہ میں نے تجھے پالا ہے، مجھے پتا ہے کہ میرا عباسؑ کتنا بہادر ہے، اس دنیا میں اب تک تو کوئی پیدا نہ ہو سکا کہ جو میرے عباسؑ کو مار سکے۔

لیکن عباسؑ پھر میں یقین کر لیتی ہوں کہ میرا عباسؑ مارا گیا جب میں سنتی ہوں کہ ننھی سکینہؑ کو طمانچے لگے۔ اگر میرا عباسؑ زندہ ہوتا تو کسی میں ہمت نہ تھی کہ وہ سکینہؑ کو طمانچے لگاتا۔ جب میں سنتی ہوں کہ میرے بیمار امامؑ کی کمر پر کوڑے برسے۔ اگر میرا عباسؑ زندہ ہوتا تو کس کی ہمت تھی کہ امامؑ کی کمر پہ کوڑے مارتا۔

اور بیٹا! مجھے یقین کرنا پڑتا ہے، یا تو میرے عباسؑ کے ہاتھ کٹ گئے یا میرا عباسؑ مر گیا تھا۔ جب میں سنتی ہوں کہ میری شہزادی زینبؑ کی چادر چھن گئی۔ اگر میرا عباسؑ زندہ ہوتا تو کس میں مجال تھی کہ وہ چادرِ زینبؑ پر ہاتھ ڈالتا؟

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ!

مجلسِ سوم

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ یَنْصُرْكُمْ وَیُثَبِّتْ اَقْدَامَكُمْ ۝ (سورۂ محمد، آیہ ۷)

وَقَالَ اَبُوْ عَبْدِ اللّٰهِ الْحُسَیْنِ: هَلْ مِنْ نَّاصِرٍ یَنْصُرُنَا

دو سال پہلے جامعۃ المنتظر کے اسی امام بارگاہ میں پانچ روزہ مجالس پیامِ اسلام کے نام سے ہوئی تھیں اور اس سال ۱۴۲۹ھ کے عشرہ کی یہ پانچ مجالس پیامِ کربلا کے عنوان سے ہو رہی ہیں۔

میرا یہ طریقہ کار ہے کہ میں دیکھتا رہتا ہوں کہ لوگوں نے میری باتوں کو یاد رکھا ہے کہ بھلا دیا اور اندازہ یہ ہو رہا ہے کہ بھلا دیا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ دو سال پہلے کی ایک مجلس میں مَیں نے ایک گزارش کی تھی اور وہ گزارش آج بھی مجھے کرنا پڑ رہی ہے کیونکہ لوگوں نے اس پر عمل نہیں کیا اور وہ گزارش یہ ہے کہ بعض طبی وجوہات کی بنا پر میرے لیے ذرا جھک کر دیکھنا مشکل ہوتا ہے تو میری خواہش یہ ہوتی ہے کہ مجمع جتنا پیچھے ہو کر بیٹھے، میرے قریب میں کوئی نہ رہے اور جیسا کہ دو سال پہلے بھی میں نے یہ عرض کیا تھا کہ جہاں کوئی مجبوری ہو، کوئی ایسا خطیب، کوئی ایسا عالم، کوئی ایسا ذاکر کہ کثیر تعداد میں مجمع آئے تو منتظمین کے لیے مسئلہ ہوتا ہے۔

الحمدللہ! پینتیس سال سے میں مجالس پڑھ رہا ہوں۔ مجھے تو یہ مسئلہ کبھی پیش نہیں آیا۔ آج تو جو ہو گیا سو ہو گیا کل اس بات کا خیال رکھیے گا۔

میرا اپنا بیان تو مکمل ہوا اور اب میں جلدی جلدی قرآن کریم کی اس آیت کو اپنے مظلوم آقا کے اس فرمان سے ملا کر کہ جو میں نے پڑھا ہے۔ قرآن کریم کی سورۂ محمد کی ایک آیت ہے جس کی تلاوت ان پانچ روزہ مجالس کے لیے، پیامِ کربلا کے عنوان سے کی گئی۔

صاحبانِ ایمان ______!

ہمارا اور آپ کا اور عملی زندگی کا مسئلہ یہ ہوتا ہے کہ ایک طرف قرآن و حدیث میں دعاؤں کا اتنا حکم ہے اور دوسری جانب ہم دعائیں کرتے بھی ہیں۔ لیکن ہوتا یہ ہے کہ سو دعائیں کرتے ہیں تو مشکل سے پانچ دعائیں قبول ہوتی ہیں۔

بعض اوقات ایسی کیفیت آجاتی ہے کہ آدمی کا دعا پر سے اعتماد اُٹھنے لگتا ہے اور یہ والی خرابی خواتین کو لے جاتی ہے ان چیزوں کی جانب جو اسلام کے مزاج کے بھی خلاف ہیں اور شریعت کے احکامات کے بھی کہ جب اللہ سے مانگنے سے دعا پوری نہیں ہو رہی اور تعویزوں کے چکر میں پڑا جاتا ہے۔ پیری اور مریدی کے چکر میں پڑا جاتا ہے۔ کسی کے پاس جن آجاتا ہے، کوئی غیب کی خبریں دیتا ہے، یہ سب اسلام کے لحاظ سے ایک حماقت بھی ہے اور اکثر یہ فعلِ حرام میں داخل ہو جاتا ہے۔

آلِ محمدؐ جن کے پاس موجود ہیں انھیں نہ تو کسی غیر کے پاس جانے کی ضرورت ہے اور نہ ہاتھ پھیلانے کی لیکن چونکہ اس خرابی میں ہمارے معاشرے کی عورتیں مبتلا ہیں تو بات صرف ہو رہی ہے دعا کی لیکن مسئلہ یہ ہے کہ دعا کے لیے خدا نے ایک بہت اہم شرط لگائی ہے، اس شرط کو ہم بھلا دیتے ہیں اور پھر کہتے ہیں کہ اللہ نے ہماری دعا قبول نہیں کی۔

دعا کی اس شرط کو اُردو کے ایک محاورے میں بیان کیا گیا ہے کہ "تالی کبھی ایک ہاتھ سے نہیں بجتی"۔

ہمارے یہاں انداز کچھ ایسا ہی بن گیا ہے کہ ہم یہ سمجھتے ہیں کہ ہم جو مانگیں، جو مانگیں، جس وقت مانگیں، جس طرح مانگیں، اللہ کا یہ فریضہ ہے کہ وہ ہماری ہر دعا کو قبول کرے، نعوذ باللہ!

ہمارا حال یہی ہے کہ جیسے ہم کہیں تو ہماری بات پوری ہونی چاہیے، لیکن ہمیں اللہ کی کوئی بات نہیں ماننی۔

ہماری دعا کا انداز ایسا ہوتا ہے کہ جیسے ہم بڑے ہیں اور خدا چھوٹا اور یہ طریقہ خالی خدا کے بارے میں نہیں ہے بلکہ یہی طریقہ بعض ہمارے معصومینؑ کے بارے میں ہوتا ہے، یقیناً وہ ہم نہیں تھے لیکن مولاؑ کی خلافتِ ظاہری میں اپنے آپ کو علیؑ کا شیعہ کہنے والا ایک گروہ تھا۔

وہ تو بعد میں پتہ چلا کہ وہ منافق تھے، جھوٹے تھے، علیؑ کے شیعہ نہیں تھے لیکن اُس وقت تو وہ اپنے آپ کو علیؑ کا شیعہ کہہ رہے تھے کہ جن کے طرزِ عمل نے میرے مولاؑ کو کہ نہج البلاغہ کا ایک خطبہ آ گیا جس میں میرے مولاؑ نے ایک جملہ کہا: وہ یہ کہ:

"میری سمجھ میں نہیں آتا ہے کہ میں تمھارا امامؑ ہوں یا تم میرے امامؑ ہو۔ تمھیں میرا حکم ماننا ہے یا مجھے تمھاری بات ماننی ہے۔ جب بھی میں نے حکم دیا، کوئی نہ کوئی اعتراض، کوئی نہ کوئی بہانہ؟

کہا: چلو جہاد کے لیے۔

کہا: مولاؑ! ابھی تو سردیاں بہت ہیں، سردیاں گزر گئیں۔ اب کہا مولاؑ! اب گرمیاں بہت ہیں"۔ اور پھر میرے مولاؑ نے کتنا عجیب جملہ کہا ہے نہج البلاغہ میں کہ

اگر نہج البلاغہ نہ ہوتی تو مجھ میں ہمت ہی نہ ہوتی یہ جملہ پڑھنے کی۔ یہ آج نہیں آئے گا یہ کل آئے گا۔

کہ یہی انداز ہمارا امامؑ سے بھی ہے جب ہماری زبان سے کوئی بات نکلے۔ امامؑ کو فوراً ہماری بات کو سننا اور ہماری پریشانی کو دُور کرنا چاہیے اور یہی انداز ہمارا اللہ سے بھی ہے دعا کے حوالے سے۔

قرآنِ کریم کے سورۂ محمدؐ میں خدا ایک عجیب بات کہہ رہا ہے کہ: "اے ایمان والو! اگر تم اللہ کی مدد کرو گے تو اللہ تمھاری مدد کرے گا"۔

اللہ سے مدد مانگنے والو!

پہلے یہ بتاؤ کہ تم نے آج تک اللہ کی کیا مدد کی ہے؟ یہ وہی بات ہے جو میں نے اپنے جملے میں کہہ دی اور یہی اصول سورۂ بقرہ کی آیت میں بہت کھل کر آیا۔ جو دعا کے حوالے سے اہم ترین آیت:

وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي فَإِنِّي قَرِيبٌ أُجِيبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ فَلْيَسْتَجِيبُوا لِي ......

جس میں امامؑ کہہ دیں کہ قرآن کی واحد آیت جس میں اتنی مرتبہ اللہ نے لفظ "میں" استعمال کیا۔ لیکن میرا موضوع دعا بھی نہیں ہے اور میرا موضوع روزہ بھی نہیں ہے کہ جس کے درمیان یہ آیت آئی جو آیت میرا موضوع ہے اس میں ایک ضمنی بات آ گئی کہ دعا کرنے والو! اور بار بار اللہ کی بارگاہ میں جانے والو! کبھی یہ بھی سوچو کہ تم نے آج تک اللہ کی کیا مانی ہے جو اللہ تمھاری مانے؟

اور اس کو کھل کر قرآن نے کہہ دیا:

إِنْ تَنْصُرُوا اللهَ يَنْصُرْكُمْ

"اگر تم اللہ کی مدد کرو گے تب یہ توقع کرنا کہ اللہ پلٹ کے

تمھاری مدد کرے گا"۔

وَيُثَبِّتْ اَقْدَامَكُمْ (سورہ محمد، آیہ ۷)

یہ بہت اہم پیغام ہے قرآن کا، ایسے حالات و ماحول ہے کہ خالی ہم ہی پریشان نہیں ہیں بلکہ عیسائیوں کو پریشان کو دیکھا، یہودیوں کو پریشان دیکھا اور اس کا جواب قرآن دے رہا ہے:

وَيُثَبِّتْ اَقْدَامَكُمْ (سورہ محمد، آیہ ۷)

پہلے قرآن کی آیت کا شروع کا حصہ "تمھیں اللہ کی مدد کرتا ہے"۔ اب یہاں ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ہم اللہ کی مدد کیسے کریں گے؟

ہم اتنے سیدھے سادے، اتنے بھولے بھالے، عقل کے اعتبار سے اتنے کم ہوتے تو ہماری زبان پر یہ جملہ چل بھی جاتا کہ ہم اللہ کی مدد کرنا چاہتے ہیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مشہور واقعہ ہے کہ حضرت موسیٰؑ کوہِ طور کی جانب جا رہے ہیں اور راستے میں دیکھا کہ ایک چرواہا بیٹھا ہے (ٹھیک ہے اس کو یہ حق ہے کہنے کا) وہ بیٹھا ہوا ہے اور معرفتِ خدا میں سرشار۔ خداوندا! تو ہے کہاں؟ میں تجھے ڈھونڈ رہا ہوں، کسی طرح سے تو مجھے مل جائے تو میں اپنے ہاتھوں سے تجھے نہلاؤں گا، تیرے سر میں تیل ڈالوں گا، تیرے سر میں کنگھی کروں گا، تمھیں اپنی گود میں لٹا کر آرام کراؤں گا تو کتنا مصروف رہتا ہے! پتہ نہیں تجھے آرام کا وقت ملتا ہے کہ نہیں ملتا ہے؟

پتہ نہیں تجھے کھانے کا وقت ملتا ہے کہ نہیں؟ تیرے پیر دباؤں گا، تیرے بدن کی مالش کروں گا۔ حضرت موسیٰؑ جیسا جلیل القدر نبی ذاتِ الٰہی کے بارے میں ایسی باتیں سنے۔

حضرت موسیٰؑ کے بارے میں ہمارا یہ تصور نہیں ہے کہ بہت غصہ والے تھے

اور بار بار آپے سے باہر ہو جاتے تھے۔ کچھ مسلمانوں نے حضرت موسیٰؑ کا یہ تصور بھی پیش کیا کہ پتھر کے مارنے دوڑے جا رہے ہیں، ملک الموت روح قبض کرنے آیا تو ایسا مکا مارا کہ اس کی آنکھ پھوٹ گئی اور وہ روتا ہوا اللہ کے پاس گیا خداوندا! مجھے کہاں بھیج دیا تھا؟ آنکھ پھڑوا کے آرہا ہوں۔

ہم کسی بھی نبیؑ کے بارے میں کسی بھی گستاخی کا تصور نہیں کر سکتے ہیں۔ لیکن یہ چرواہا اس وقت جو باتیں کر رہا ہے، حضرت موسیٰؑ آگے بڑھے، جیسے ہی آگے بڑھے جلال کے عالم میں خدا نے روک دیا۔ موسیٰؑ! ادھر مت جاؤ۔

موسیٰؑ نے کہا کہ خداوندا! یہ تیری شان میں گستاخی کر رہا ہے۔ تیری توہین کر رہا ہے۔ کہا کہ نہیں، موسیٰؑ! جتنی اس کی عقل ہے یہ اُس کے اعتبار سے کہہ رہا ہے، کوئی حرج نہیں ہے، اس کو کہنے دو۔

ہاں، اگر ہم اور آپ ایسا کہیں گے تو اتنے جوتے ہمیں پڑیں گے کہ دماغ ٹھکانے آجائیں گے۔

اب جو بات بچہ کہتا ہے، آپ نے جو بات کہی ہوگی دو سال کی عمر میں، آج آپ وہ بات کہہ کے دیکھ لیجیے۔

ٹھیک ہے کہ وہ شیخ علی کا جو واقعہ ہے (بہت ہی مشہور واقعہ ہے) اپنی جگہ ایک مکمل پیغام ہے، لیکن نہ میرا موضوع ہے، اور نہ اتنا مشہور واقعہ پڑھنے کی ضرورت ہے کہ جب وہ امامِ زمانہؑ سے ناراض ہو کے بیٹھ گئے کہ جائیے مولاؑ! آپ کی میری کٹی، میں آپ سے نہیں بولتا، میں آپ سے ناراض ہو گیا۔

اور امامؑ مسکرا مسکرا کر اس کے کندھے پہ ہاتھ رکھ کر اسے تسلیاں دے کر یہ بات برداشت کر رہے ہیں، اس لیے کہ جتنی اُس کی عقل ہے، جتنی اُس کی سمجھ ہے، اتنا ہی اللہ قیامت کے دن اُس کا حساب کتاب لے گا، ہم اور آپ یہ جملہ نہیں کہہ

سکتے۔

ویسے تو ہم بڑے عاقل بنتے ہیں، ہمارے عقل کل بننے کی ضرورت یہ ہے کہ آج کل ہم مراجع کو پڑھانے کی کوشش کرتے ہیں اور جب امامؑ آئیں گے تو اُس وقت کیا حال ہوگا؟

اور روایات میں ہے کہ جب امامؑ تھے تو کتنے لوگوں نے جا کر مشورے دیے اور جب امامؑ آئیں گے تو کتنے ہی لوگ مشورے دیں گے۔

تو خلاصہ یہ ہے کہ بہلول دانا، حالانکہ بہلول دانا تو اس فہرست میں نہیں آتے۔ بہلول دانا تو اپنے دور کے سب سے زیادہ پڑھے لکھے آدمی تھے۔ لیکن شیخ علی جیسا آدمی، حضرت موسیٰؑ کے زمانے کا چرواہا، وہ اگر بھول پن میں یہ بات کرے کہ اے خدا! تو اتنا محنت کا کام کرتا ہے، تجھے ضرورت ہو اگر میری مدد کی تو میں آرہا ہوں تیری مدد کرنے، تو سمجھ میں آتا ہے مگر اگر قرآن کہہ دے کہ اللہ کی مدد کرو، اور ہم سے اور آپ سے کہہ دے تو بتاؤ!

ہم ہیں کیا جو اللہ کی مدد کریں، یہ اللہ کی مدد کیسے کی جائے؟ قرآن نے کہا ہے: یہ غلط بھی نہیں ہوسکتا۔ اگرچہ اس کی تفسیر بھی بڑی دلچسپ ہے مگر میرا موضوع کہیں رہ جائے گا۔

اللہ کی مدد کا حکم قرآن نے مردوں کو بھی دیا، عورتوں کو بھی دیا، بچوں کو بھی دیا، بوڑھوں کو بھی دیا، عالم کو بھی دیا، جاہل کو بھی دیا۔ لیکن اللہ کی مدد کیسے کرتا ہے؟ وہ ساری تفسیریں چھوڑیں جو معصومینؑ سے مروی ہیں، ہمیں اور آپ کو اتنا پکا پکا یہ سبق یاد دلایا گیا ہے اور ہر جمعرات کو دہرایا جاتا ہے بس ایک لمحہ سے واضح ہو جاتا ہے کہ اللہ کی مدد کا مطلب کیا ہے۔ اللہ کی مدد ایک مکمل پیغام بنتا ہے۔ زیارت وارثہ میں اور زیارت وارثہ کے تیسرے ٹکڑے میں، جب ہم شہداء کربلا کی زیارت

پڑھتے ہیں تو ایک مرتبہ:

اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ یَا اَوْلِیَاءَ اللّٰہِ وَاَحِبَّاءَہٗ اَلسَّلَامُ یَا اَصْفِیَاءَ اللّٰہِ،

پھر آگے کہتے ہیں:

اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ یَا اَنْصَارَ دِیْنِ اللّٰہِ

وہی لفظ ''انصار'' ہے جو قرآن اس آیت میں مانگ رہا ہے:

یَاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰہَ یَنْصُرْکُمْ

اللہ کے ناصرو! انصار بنو اور ہم وہاں بتا رہے ہیں اس سے مطلب کیا ہے؟

اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ یَا اَنْصَارَ دِیْنِ اللّٰہِ

اللہ کی مدد کا مطلب ہے اللہ کے دین کی مدد کرنا۔ یہ ذمہ داری خالی حبیبؓ ابن مظاہر کی نہیں ہے، یہ ذمہ داری مسلمؓ ابنِ عوسجہ کی نہیں ہے، یہ ذمہ داری خالی بریرؓ ھمدانی کی نہیں ہے۔ قرآن نے ہر ایک سے کہا کہ تمھیں دینِ خدا کا مددگار بننا ہے،

زیارتِ وارثہ کا اختتام اسی پر ہوا:

''اے دینِ خدا کے مددگار! اگر ہم تمھارے ساتھ ہوتے تو ہم دینِ خدا کی اسی طرح مدد کرتے''۔

یہ تو قرآن کہہ رہا ہے، لیکن ہم خالی قرآن کو کافی نہیں سمجھتے ہیں، بلکہ ہم ثقلین کے ماننے والے ہیں، تو قرآن نے یہ کہا اور آپ نے سنا۔ اب دیکھیے کہ امامؑ کیا کہہ رہے ہیں؟

اور اس لیے آج کی مجلس کے خطبہ میں مَیں نے قرآن کی آیت کے ساتھ امامؑ کے کلام کو بھی شامل کیا۔ یہ میرے آقا حسینؑ کا عاشورہ کے دن کا استغاثہ ہے، جب حسینؑ بالکل اکیلے رہ گئے، ایک بار دائیں طرف دیکھا، ایک بار بائیں طرف

دیکھا اور کہا:

هَلْ مِنْ نَّاصِرٍ يَنْصُرُنَا

"ہے کوئی میرا مددگار؟"

وہی لفظ "ناصر" آیا جو قرآن نے بیان کیا۔ "ہے کوئی میرا مددگار، جو میری مدد کو آئے؟؟"

مولاؑ نے تین مرتبہ استغاثہ کیا تھا کربلا کے میدان میں۔ میں بات کر رہا ہوں آخری استغاثہ کی۔ ایک استغاثے پر کہا جاتا ہے کہ مولا سجادؑ خیمے سے نکلنے لگے اور آقا نے کہا کہ زینبؑ! سجادؑ کو روکو، دوسرے استغاثے میں تو خیر ہر ایک کو پتہ ہے کہ جب حسینؑ نے کہا کہ ہے کوئی میرا مددگار؟ تو اصغرؑ نے اپنے آپ کو گہوارے سے گرا دیا۔

کہ ہے بابا، ابھی آپ کا ایک مددگار ہے اور چھ ماہ کے اصغرؑ نے گہوارے سے گرا کر بتا دیا کہ جو حسینؑ کا پیغام ہے یہ بچوں کے لیے بھی ہے، مردوں کے لیے بھی ہے، عورتوں کے لیے بھی ہے لیکن آخری بار جب حسینؑ نے استغاثہ کیا تو اصغرؑ تک کی قبر بن چکی تھی۔

اب کوئی باقی نہیں ہے حسینؑ کے لشکر میں، اکیلے اور تنہا حسینؑ رہ گئے۔ اُس وقت حسینؑ کہہ رہے ہیں کہ ہے کوئی مددگار؟ آقا حسینؑ یہ کیوں کہہ رہے ہیں؟

کہ آقا کی اپنی زندگی اتنی پیاری تھی کہ اکبرؑ کا لاشہ اُٹھا کر بھی کہہ رہے ہیں کہ ہے کوئی میری مدد کرنے والا جو آ کر میری مدد کرے؟

اور چلیں اگر ہم نعوذ باللہ مان لیں، تو ان روایات کا کیا کریں کہ حسینؑ کی آواز سن کر کچھ جن آئے اور حسینؑ نے بھیج دیا، ملائکہ آئے لیکن حسینؑ نے واپس کر دیا۔ انبیاءؑ و مرسلین آئے حسینؑ نے واپس کر دیا۔

بس ـــــ ابھی حسینؑ کے بلانے اور جو آ گئے ان کو بھیجنے ہی میں جواب موجود ہے اس سوال کا۔

بلایا: ہے کوئی میری مدد کرنے والا؟ آ گئے، یہ وہ آ گئے کہ جو حسینؑ کی زندگی بچا سکتے تھے۔ حسینؑ نے کہا کہ میں اپنی زندگی کے لیے تو بلا ہی نہیں رہا ہوں اس لیے تمہارا آنا بیکار ہے۔ میں تو اپنے مقصد کے لیے بلا رہا ہوں کہ ہے کوئی میرا مددگار جو اسلام کو بچانے میں میرا ساتھ دے۔

اسلام بچانے میں آپ کام آئیں گے، حسینؑ بلا رہے ہیں اپنے قیامت تک آنے والے شیعوں کو، کہ آؤ میرے مقصد میں میرے مددگار بنو۔

اُدھر اللہ نے بلایا ـــــ اے ایمان والو!! ''اللہ کی مدد کرو یعنی اللہ کے دین کی''۔

اور اِدھر حسینؑ نے شہادت سے ایک لمحہ پہلے آپ کو بلایا۔

مرثیہ میں بھی ایک شعر آپ نے سنا کہ آقا حسینؑ نے آخری مراحل میں آپ کو بہت یاد کیا تھا، لیکن وہ اِس حوالے سے یاد کیا تھا کہ کسی مسافر کی موت کی خبر پاؤ تو مجھے یاد کرنا۔ وہ اس حوالے سے تو یاد کیا تھا کہ جب کبھی پانی پیئو تو میری پیاس کو یاد کرنا مگر یہ بھی تو آقا حسینؑ کی بات یاد رکھئے کہ جب دینِ خدا کو مدد کی ضرورت ہو۔

هَلْ مِنْ نَّاصِرٍ کہہ کر حسینؑ تمھیں بلا رہا ہے، تمھیں دینِ خدا کی مدد کرنا ہے اور یہاں پہ اب ایک آخری بات سن لیجیے۔ وہ یہ کہ جب کبھی آپ یہ روایات سنیں اور یا کبھی آپ کے دل میں عاشور کے دن ایک خیال پیدا ہو جائے کہ کاش ۱۰ محرم ۶۱ ہجری میں کربلا میں آقا کے ساتھ ہوتا اور فوراً ایک بات سمجھ لیجیے۔ وہ کیا؟ ویسا نہ بنیے گا کہ جیسے ایک صاحب دوسرے کے پاس گئے اور کہنے لگے کہ بھئی! پچھلا

مہینہ بڑی پریشانی میں گزرا، ایک لاکھ کا میرے اُوپر قرضہ تھا اور جن کا قرضہ تھا وہ غنڈے تھے اور گھر کی عزت خطرے میں پڑ گئی۔ میری کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ میں کس سے جا کر مانگوں ایک لاکھ کی رقم۔

اب وہ اپنی پریشانی بیان کر رہے ہیں، پھر کہا کہ الحمدللہ انتظام ہو گیا اور میں نے اپنی پریشانی دُور کی۔ اب ہم نے دیکھا کہ اُن کی پریشانی تو دُور ہو گئی۔ ہم نے کہا اب ان کے سامنے نمبر بناؤ، ارے! آپ ہمارے پاس کیوں نہیں آئے؟ ہم آپ کی مدد کر دیتے۔ تو کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ہم بڑھ چڑھ کر نمبر بنا رہے ہوتے ہیں اور وہیں پکڑ لیے جاتے ہیں۔

اگر کبھی کسی نے یہ کہا کہ کاش میں میدانِ کربلا میں ہوتا، یہاں پر میں ایک اور بات دہرا دوں کہ دو جملے زیارتِ وارثہ کے ایسے ہیں جو آقا حسینؑ کی زیارت میں ہونا چاہیے تھے، لیکن آقا حسینؑ کی زیارت میں نہیں ہیں۔ ایک یہ جملہ کہ "مولاؑ! آپ پاک ہوئے اور آپ کی وجہ سے زمینِ کربلا پاک ہوئی"۔

یہ آقا حسینؑ سے کہنا چاہیے، حسینؑ کی وجہ سے کربلا کی زمین پاک ہوئی ہے، یہ اُن کی زیارت میں جملہ نہیں ہے۔ یہ جملہ ہے مسلمؓ بن عوسجہ کی زیارت میں، ابن یزید ریاحیؓ کی زیارت میں، بریرؓ ہمدانی کی زیارت میں، ایک حبشی غلام جونؓ کی زیارت میں۔

حسینؑ کے رتبے کو تو تم کیا سمجھو گے، ایک غلام حبشی کا رتبہ وہ ہے کہ جس زمین پر اُس کا خون گرا وہ زمین پاک ہو گئی ہے۔

اور دوسرا جملہ یہ کہ "مولاؑ! کاش میں آپ کے ساتھ ہوتا"۔

یہ کہنا چاہیے تھا کہ آپ کو آقا حسینؑ کی زیارت میں، جنھوں نے زیارتِ وارثہ کبھی پڑھی نہیں ہے وہ آج پریشان ہوں گے کہ پتہ نہیں مولانا کا عنوان کیا ہے

اور جنھوں نے پڑھی اور اس کے معنی نہیں معلوم ہوں گے وہ اور زیادہ پریشان ہو لیا گے، لیکن جملہ یہ ہے: ''مولاؑ! کاش میں آپ کے ساتھ ہوتا''۔

آپ تو کہتے ہیں مگر یہ آقا حسینؑ سے نہیں کہتے کہ کاش میں آپؑ کے ساتھ ہوتا۔ یہ آپ کہتے ہیں جناب حرؓ سے، یہ آپ کہتے ہیں جناب حبیبؓ سے، یہ آپ کہتے ہیں جناب مسلمؓ بن عوسجہ سے، یہ آپ کہتے ہیں جناب بریر ہمدانیؓ سے، یہ آپ کہتے ہیں ہلالؓ ابن نافع بجلی سے، یہ آپ کہتے ہیں جونؓ غلام حبشی سے۔

کیوں ـــــ؟ میرا تجربہ یہ ہے کہ سیرت معصومینؑ پوری پڑھ کر سنا دیجیے مومنین کو بہت خوش ہوتے ہیں اور واہ واہ بھی کرتے ہیں اور پھر مومن سے کہیے کہ آپ بہت مسکرا رہے تھے مولاؑ کی سیرت سن کر آپ بہت خوش تھے تو بسم اللہ آج سے ارادہ کیجیے نماز پڑھنے کا، تو وہ کہے گا کہ ارے مولانا! آپ کیا بات کرتے ہیں۔ وہ علیؑ تھے، ہم تو ان کے پاؤں کی خاک کے برابر بھی نہیں۔ ہم اُن جیسے کیسے بن سکتے ہیں؟

ان باتوں کی مجھے سمجھ نہیں آتی۔ علیؑ وہ ہیں کہ جو روزانہ ہزار رکعت نماز پڑھیں اور مومن وہ ہے کہ جو چاہتا ہے کہ مجھے روزانہ زیرو رکعت نماز پڑھنی چاہیے کیونکہ وہ کہاں اور میں کہاں؟

چلو ٹھیک ہے ـــــ اگر تم تمام معصومینؑ کی سیرت کو لپیٹ کر ایک سائیڈ پر رکھ دیتے ہو کہ ہم ان جیسے کہاں؟ تو چلو ٹھیک ہے کہ ان جیسے نہیں ہو تو یہ بتاؤ کہ مسلمؓ بن عوسجہ کوئی معصوم تھے؟ حبیبؓ ابنِ مظاہر کوئی معصوم تھے؟ چلو سب کو چھوڑو خود غلام حبشی جونؓ کہتا ہے کہ آقا حسینؑ! نہ میرے حسب کا پتہ ہے نہ میرے نسب کا پتہ ہے۔ دل چاہتا ہے کہ آپؑ کے قدموں پہ اپنی جان قربان کروں۔ وہ تو تمھارے جیسے تھے نا، ان جیسے تو تم بن سکتے ہو۔

تو یہ جملہ کہ ”کاش! میں آپ کے ساتھ ہوتا“ حسینؑ کی زیارت میں نہیں آیا بلکہ یہ جملہ آیا غلام حبشی کی زیارت میں۔

بھئی ـــــ!

ادھر ہم نے یہ کہا اور اگر کسی کے دل میں کوئی غلط خیال آیا کہ کربلا کا جہاد تو ہوگیا، مگر نمبر بنانے کے لیے کہہ دو، اِدھر کہا اُدھر سجادؑ آگئے۔ یہ میرے چوتھے امامؑ کی حدیث ہے، کہا کہ گھبراؤ نہیں تم کربلا جانا چاہتے ہو نا، میں تمھارے لیے کربلا کا جہاد بڑا آسان کر کے دے رہا ہوں۔

کُلُّ اَرْضٍ کَرْبَلَا وَکُلُّ یَوْمٍ عَاشُوْرَا

اب ۶۱ ہجری کا ۱۰ محرم عاشور نہیں۔ اب ۱۴۲۹ھ کی آج ۲۵ جنوری کی تاریخ بھی عاشورا ہے۔ اب خالی عراق کا شہر کربلا نہیں ہے، اب لاہور کا ماڈل ٹاؤن بھی کربلا ہے۔ اس لیے کہ کل ۱۰ محرم ۶۱ ہجری کو حسینؑ کربلا میں کیوں گئے تھے؟

اِنَّمَا خَرَجْتُ لِطَلَبِ اِصْلَاحِ اُمَّتِ جَدِّیْ

”نانا کی اُمت خراب ہو رہی ہے، اصلاح کرنے جا رہا ہوں“۔

کربلا میں حسینؑ اس مقصد کے لیے گئے تھے اور آج بھی اگر اُمت کو اصلاح کی ضرورت ہے تو آج کی کربلا یہاں پر ہے۔ اس کے لیے حسینؑ نے مانگا تھا ناصر ـــــ ھَلْ مِنْ نَّاصِرٍ یَّنْصُرُنَا

مجھے اپنی جان بچانے کے لیے مددگار نہیں چاہیے، مجھے اسلام کو بچانے کے لیے مددگار چاہیے۔ اگر ۶۱ ہجری کا اسلام خطرے میں ہے تو حسینؑ کو مددگار چاہیے اور اگر آج بھی اسلام خطرے میں ہے تو آقا حسینؑ کو یہاں بھی مددگار چاہیے۔

پس ـــــ! جس نے اپنے شہر میں بیٹھ کر یہ دیکھا، اپنے گھر میں بیٹھ کر یہ

دیکھا، ہمارے گھروں میں گانے بجانے کا رواج بہت بڑھ گیا ہے، ہمارے گھروں میں عورتوں کی بے حجابی حد سے زیادہ ہے، ہمارے گھروں میں بزرگ بھی نمازیں قضا کر رہے ہیں۔ یہ اس کے لیے آج کی کربلا ہے، اگر اس نے اپنی ذمہ داری ادا کی تو یہ آج کا حبیبؓ ابن مظاہر ہے جو آواز سن کے آ گیا اور ذمہ داری ادا نہ کی تو یہ آج کا وہ آدمی ہے کہ چراغ گل ہوا اور یہ چپکے سے اُٹھ کر باہر نکل گیا۔

اگرچہ شبِ عاشور کوئی باہر گیا ہو یا نہ گیا ہو، دو آدمی باہر ضرور گئے تھے۔

تو اس مقام پر پیامِ کربلا یہ ہے کہ غور کرو، تمھارا خاندان، تمھارا شہر، تمھارا محلّہ، کیا آج بالکل ٹھیک ہو گیا؟

تو بہر حال ـــــ!

ان پیامِ کربلا کی مجالس میں مَیں آپ کو بتانا چاہتا ہوں یزید کی ایک غلطی ہے بھول، ایک شیطان کی بھول ہے اور ایک بھول ایسی ہے کہ جو شیطان اور یزید نے مل کر کی ہے۔

یزید کی بھول، شیطان کی بھول، یزید اور شیطان کی مشترکہ بھول۔ یزید کی وہی بھول ہے کہ جو آج کل بہت سے لوگوں کی بھول ہے۔ یزید کی بھول یہ ہے، یزید یہ سمجھا تھا کہ عاشورہ کا جہاد ۱۰ محرم ۶۱ ہجری کو ختم ہو گیا، اب تو میں کامیاب ہوں۔ اُسے نہیں پتا تھا کہ جہادِ کربلا چل رہا تھا، کوفہ کا بازار بھی جہادِ کربلا کا حصّہ ہے۔ شام کا جہاد بھی جہادِ کربلا کا حصّہ ہے۔ قید خانے بھی جہادِ کربلا کا حصّہ ہیں۔ یزید کی غلطی یہ تھی کہ اس نے عاشورہ کو سمجھا کہ یہ آخری دن ہے۔

اور بعض مؤرخین، جو آج کی تقریر کا پہلا حصّہ تھا، بعض لوگ بھی یہ سمجھتے ہیں کہ جہادِ کربلا عاشور تک تھا مگر عاشور کے بعد نہیں ہے۔

مومنین! اس کو ذرا آگے بڑھا دیتے ہیں، بھول وہ بھی یہی کر رہے تھے،

یزید یہ سمجھ رہا ہے کہ عاشورہ کو جہاد ختم ہو گیا۔ ہم یہ سمجھتے ہیں کہ ۹ ربیع الاول کو جہاد مکمل ہوا لیکن نہیں، آج بھی جہادِ کربلا چل رہا ہے۔ جہادِ کربلا اُس وقت مکمل ہو گا جب زمانہ کا امامؑ آ کر حسینؑ کے قاتلوں سے انتقام لے گا۔

تو ایک بھول یزید نے کی، دوسری بھول مومن کر رہا ہے۔ سمجھا کہ ۹ ربیع الاول کو جہاد ختم ہو گیا۔ ایسا نہیں ہے بلکہ جہاد چل رہا ہے۔

اب اِس میں ہم کو کرنا کیا ہے؟ اس لیے کہ جہادِ کربلا میں بچوں کی الگ الگ ذمہ داری تھی۔ اصغرؑ! تم اپنی زبان اپنے ہونٹوں پر پھیر، یہ حسینؑ نے کہا تھا۔ اصغرؑ کی یہ ذمہ داری، اے بزرگ صحابی! تم نے میرے آگے کھڑے ہو کر تیر کھانا ہے، تمھاری یہ ذمہ داری، اور اے خواتین! تم خیمے میں بیٹھی رہو یہ تمھاری ذمہ داری۔

تو ایک بھول ایسی ہے کہ جو دونوں نے مل کر کی ہے، وہ بھول یہ ہے کہ یزید سمجھا کہ عورتیں بہت کمزور ہوتی ہیں، یہ بوڑھی عورتیں، یہ چھوٹی بچیاں، یہ میرا کیا بگاڑ لیں گی؟

اسی لیے خالی انھیں قیدی بنا کر نہیں لے گیا، نعوذ باللہ راستے میں توہین آمیز سلوک کرتا ہوا لے چلا کیونکہ اُسے ایک لمحہ کے لیے خیال نہیں ہے کہ یہ خواتین، یہ سیدانیاں، ذرا سا بھی میرے لیے خطرہ بن سکتی ہیں۔ بعد میں پتہ چلا کہ یزید کی یہ سب سے بڑی بے وقوفی تھی۔

جو ہم نے تاریخ میں پڑھا ہے اُس کو چھوڑیے، یزید کی بیوقوفی کو یزید ہی بتا سکتا ہے نا۔ صدام، اِس دور کا سب سے بڑا یزید، لیکن خدا نے اس کی زبان پر بھی ایک حکمت و دانائی کی بات جاری کروا دی۔ جب جناب باقر صدر کو شہید کیا۔ جب اُس سے یہ کہا گیا کہ تم نے یہ شہید صدر کو شہید کیا، کوئی بات نہیں، مردوں پہ تو ظلم ہوتا رہتا ہے۔

بہرحال ــــ! کہا کہ دیکھو! اُن کی بہن کو شہید نہ کرنا، بھائی کے ساتھ بہن بھی گرفتار ہوئی تھی سیدہ آمنہ بنت الہدیٰ، جیل میں ڈال دو۔ شہید نہ کرنا اس لیے کہ عورت کی شہادت، یہ اتنا بڑا فساد بن جائے گا کہ ہمارے دوست بھی ہماری حمایت نہیں کر پائیں گے تو صدام کی زبان پہ ایک جملہ آ گیا، وہ یہ کہ

''کیا تم یہ چاہتے ہو کہ وہی غلطی میں کروں جو غلطی یزید کر چکا، بھائی کو شہید کر دیا بہن کو جیل میں ڈال دیا''۔

نتیجہ یہ نکلا کہ نامِ یزید داخلِ دشنام ہو گیا۔

میں بھی وہی غلطی کروں، نہیں میں وہ غلطی نہیں کروں گا۔ اگر بھائی کی شہادت کے بعد بہن کو زندہ رکھا تو یہ بھائی سے زیادہ خطرناک ہو گی، اس کو بھی ساتھ میں شہید کر دو۔ یہ یزید کی وہ بھول ہے جو خود یزید ہی بتا رہا ہے کہ عورت کو کمزور نہ سمجھنا۔

اور اب آیئے ــــ!

ہم اپنے ایمانی پہلو سے دیکھیں، تولّی و تبرّیٰ ساتھ میں چلتا ہے۔ امام خمینیؒ کا جملہ بھی سن لیں۔ جب اُن سے کہا گیا کہ آپ خاموش کیوں ہیں؟ تو آپ نے فرمایا تھا کہ میں اپنی فوج کا انتظار کر رہا ہوں وہ فوج آ جائے تو اسلامی انقلاب آ جائے گا۔ اب لوگ چکرائے آپ کی فوج؟

فرمایا کہ یہ وہ فوج ہے جو ابھی اپنی ماؤں کی گود میں کھیل رہی ہے، یہ مائیں ہیں جو اِن بچوں کی تربیت کریں گی تو پوری فوج بن جائے گی۔ وہ بچے جوان ہوئے اور اسلامی انقلاب آ گیا۔ یہ عورت کی طاقت ہے۔

یزید کی بھول بھی یہی تھی جو آج آپ نے سنی، شیطان کی بھی یہی بھول ہے جو کل آپ سنیں گے۔ لیکن خلاصہ کیا نکلے گا کہ آپ یہ بھول نہ کریں۔ اسلام کے

اعتبار سے عورت اُس کا نام ہے جو انقلاب برپا کر دے۔

دیکھیے ۔۔۔!

یہ جو بڑے بڑے خطیب ہیں، پہلی بار جب مجمع کے سامنے گئے تو کانپ اُٹھے ۔۔۔ اب دیکھیے!!

ذکرِ مصائب

اسلام کیسی عورت چاہتا ہے جو ساری زندگی گھر میں اس طرح بیٹھی کہ پانچ سال کی تھی تو کوفہ میں ایک یہودی نے گواہی دی جس کا گھر مولاؑ کے گھر کے ساتھ تھا۔ پانچ سال رہا پڑوسی، کہا کہ میں پانچ سال رہا مجھے پتہ ہی نہ چلا کہ علیؑ کے گھر کوئی عورت ہے بھی سہی یا نہیں۔

لیکن جب بازارِ کوفہ میں ایک بار زینبؑ نے خطبہ دینا شروع کیا تو سناٹا چھا گیا مجمع پر۔ یہ ہے عورت کی طاقت۔ پہلی بار مردوں کے مجمع میں جانا پڑا اور وہ بھی عام حالات میں نہیں جانا پڑا ہے۔ سر سے چادر چھن گئی، ہاتھوں میں رسی بندھی ہے۔ پورے گھرانے کے کٹے سر زینبؑ کے سامنے نظر آ رہے ہیں لیکن جب زینبؑ بولی اور خطبہ دیا ۔۔۔! میں مولاؑ کی توہین نہیں کرنا چاہتا لیکن مولاؑ امیرِ کوفہ پر خطبہ دینا اور بات ہے اور بازاروں میں خطبہ دینا اور بات ہے۔

اور انداز اتنا مولاؑ جیسا ہے، ایک بار نہیں آپ نے کتنی بار روایت سنی کہ نابینا صحابی کو کانوں پہ یقین نہیں آ رہا، علیؑ تو میرے زمانے میں شہید ہوئے تھے، مگر یہ علیؑ کی آواز بیس سال بعد دوبارہ کیسے گونج رہی ہے؟ اور خاموش رہیں تو ایسا کہ پانچ سال یہودی کو پتہ نہ چلا کہ گھر میں کوئی رہتا ہے۔

اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّا اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ!

مجلسِ چہارم

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ يَنْصُرْكُمْ وَيُثَبِّتْ اَقْدَامَكُمْ ۝ (سورۂ محمد، آیہ ۷)

وَقَالَ اَبُو عَبْدِ اللّٰهِ الْحُسَيْنِ: هَلْ مِنْ نَّاصِرٍ يَّنْصُرُنَا

پہلے دن یہ درخواست آپ سے دو سال پہلے کی درخواست کے حوالے سے کی گئی تھی۔ پھر دو دن میں نے آپ کو اس لیے زحمت نہیں دی کہ عام طور پر ہفتہ اور اتوار کو مومنین کی تعداد خاصی زیادہ ہوتی ہے۔ آج پیر کا دن ہے اور ساتھ میں سردی بھی کچھ زیادہ ہے تو اس لیے مجھے توقع نہیں ہے کہ آج اتنے مومنین آئیں گے تو میں خود بھی ذرا آرام کے ساتھ مجلس پڑھوں تو آپ حضرات سے گزارش ہے کہ تھوڑا تھوڑا پیچھے ہٹ جایئے۔

اب آیئے ——!

ایک چھوٹی سی گزارش اور ہے، وہ سب سے نہیں، کل میں نے اس کا تذکرہ کر دیا تھا کہ پانچ ہیں دن اور ان میں بھی میں موضوع کو اتنا پھیلا دیتا ہوں کہ اپنے موضوع کو سمیٹنا مشکل ہو جاتا ہے تو یہ گنجائش نہیں ہوتی کہ کسی سوال کا جواب دیا جائے۔

آج کی اس مجلس میں اپنی پہلی مجلس، دوسری مجلس اور تیسری مجلس جو "پیام

کربلا" کے عنوان سے ہوئی تھیں، ان تینوں کو ملا کر آج کی مجلس کا موضوع آگے بڑھے گا۔ شیطان اور یزید کی مشترکہ بھول۔ اب ہم اس منزل پہ آئے ہیں، خالی یزید کی اکیلے والی بھول بیان ہوگئی، خالی شیطان کی اکیلے والی بھول بیان ہوئی اور ایک غلطی وہ ہے کہ جس میں یزید اور شیطان دونوں شریک ہوئے۔ اور شیطان جس طرح شریک ہوا اُس کے بیان کے لیے ایک بڑا مسئلہ میرے لیے آجاتا ہے اور وہ یہ کہ علماء، خطباء، ذاکرین شیطان کی یہ والی بھول کو اتنے مزیدار انداز میں مجلس میں بیان کرتے ہیں کہ مجمع عادی ہوگیا ہے کہ جہاں یہ بات ہو، پوری بات سنے بغیر مزا لینے لگے، لطف آنے لگے اُسے۔

چنانچہ اصل پیغام تو دھرا کا دھرارہ جاتا، اس لیے میں شروع میں یہ جملہ کہہ کر اپنی بات کو آگے بڑھا رہا ہوں، کہ کوئی عالم، کوئی ذاکر، کوئی خطیب نہیں کہتا کہ آپ کی بار بار کی سنی ہوئی بات ہے۔ یہ نہیں کہا جاتا، اس سے تو مجلس کا اثر ہی ختم ہوجاتا ہے۔ اگر بار بار سننے کی بات ہے تو پھر آپ سننے کیوں آئے؟ اس لیے سننے آئے کہ بار بار سنی ہوئی بات یہاں روک دی جاتی ہے، اس کے آگے سے میری بات شروع ہوتی ہے۔ ربط ملانے کے لیے سن لیں۔

شیطان نے بھی جب بھی کسی کام کو روکنا چاہا اور دین کے راستے میں رکاوٹ پیدا کرنی چاہی۔

موضوع ہے پیامِ کربلا، آیت ہے کہ اے صاحبانِ ایمان! تمھیں دین کی مدد کرنا ہے، اور آنکھوں کے سامنے ہے حضرت امام حسینؑ کا استغاثہ، کہ آؤ میرے مقصد اور اسلام کی مدد کے لیے۔

تو جب بھی دین میں شیطان نے رکاوٹ پیدا کرنا چاہی اور جب بھی کسی نیکی کے کام کو روکنا چاہا تو شیطان نے ہمیشہ یہ سوچا کہ دینی معاشرے میں سب سے

کمزور عورت ہوتی ہے، عورت کو استعمال کرو۔ عورت کے ذریعہ سے دین کے کام کو روکا جائے، عورت کے ذریعہ سے نیکیوں کے سلسلے کو روکا جائے۔

عورت کو سب سے کمزور شیطان نے بھی سمجھا۔ یزید کی بھول، پہلی تقریر کے آخر میں بھی بات آ گئی تھی۔ حضرت امام خمینیؒ کی فوج کی تیاری اور صدام ملعون کے سیدہ آمنہ بنت الہدیٰ کے حوالے سے۔

یزید کی بھول بات آ چکی، شیطان کی بھول۔ اب کربلا کے واقعہ سے پہلے، کربلا کے واقعہ سے ہٹ کر کائنات کی عظیم قربانی ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اپنے بیٹے اسماعیلؑ کو ذبح کے لیے لے جانا۔

قرآن نے کہا:

وَفَدَيْنٰهُ بِذِبْحٍ عَظِيْمٍ ○ (سورۂ صفات، آیہ ۱۰۷)

"ہم اس کے بدلے اِس سے بھی عظیم قربانی کا امتحان لیں گے"۔

لیکن ذبح عظیم سے پہلے آدم علیہ السلام سے لے کر ابراہیم علیہ السلام تک اتنا بڑا امتحان کہ بوڑھے باپ سے یہ کہا جائے کہ اپنے ہاتھ سے اپنے جوان بیٹے کے گلے پہ چھری چلا۔ چاہے باپ چھری چلانے کے لیے تیار بھی ہو جائے مگر دل پہ کیا گزرتی ہے۔

پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک مشہور حدیث، جو بار بار میرے سلسلۂ مجالس میں آ ہی جاتی ہے، سنی ہوئی حدیث ہے، شاید میں نے ہی سنائی ہو، فرمایا:

اے جبرئیلؑ! تم فرشتے کبھی ہنستے بھی ہو؟

کہا کہ ہاں یارسولؐ اللہ! اور ہنسنے کا ایک موقعہ یہ بتایا کہ جب کوئی دیکھنے کو تیار نہیں کہ کوئی دیکھنے کو تیار نہیں عورت، ہنسی آتی ہے فرشتوں کو، کہتے ہیں کہ جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ ساری زندگی بے پردہ، بے حجاب مردوں کے سامنے جانے والی،

کفن پہنا کے قبر میں اُتارا جا رہا ہے تو اعلان ہو رہا ہے کہ قبرستان میں نامحرم پیچھے ہٹ جائیں، خالی محرم آگے آ کے آخری دیدار کریں۔

فرشتے کہتے ہیں کہ ہم سے ہنسی برداشت نہیں ہو رہی۔ جب دیکھنے دکھانے کے قابل تھی، جب چھپانا چاہیے تھا، جب ہر بُری نگاہ اُٹھتی تھی، اس وقت تو اسے سب کے لیے پیش کر کے پبلک پراپرٹی بنا دیا، اور جب لاشہ ہے، سڑ جائے گا، گل جائے گا، بدبو دینے لگے گا تو اب کہہ رہے ہو حجاب ہے، کوئی اسے نہ دیکھے۔

جب چھپانے کے قابل تھی تو دکھایا اور جب اب کوئی دیکھنے کو تیار نہیں ہے تو چھپا رہے ہیں۔ یہ فرشتوں کی ہنسی ہے جو رُکتی نہیں ہے۔

کسی نے کہا کہ مولانا! پھر تو ہم بڑی عبادت کر رہے ہیں کہ فرشتوں کو ہنسا رہے ہیں۔ بڑی نیکی ہوتی ہے، مذاق ایک عبادت ہے ہم تو عبادت کر رہے ہیں۔

کرتے رہیے عبادت، جب قبر میں کوڑے پڑیں گے تو یہ زبان جواب دے جائے گی تو تب پتہ چلے گا۔

آئیے ____!

اب اسی حدیث کا دوسرا حصہ کہ اے فرشتو! تم نے تو اتنی دنیا دیکھ لی، ایسے ایسے دردناک واقعات دیکھے ہیں، تمھیں بھی کبھی رونا آتا ہے؟

کہا کہ ہاں جب کوئی باپ اور ماں اپنے بیٹے کو بڑے ارمانوں سے پالتے ہیں کہ یہ بڑا ہوگا، جوان ہوگا، ہمارے بڑھاپے کا سہارا بنے گا، جب ہم بیمار ہوں گے، جب ہم بستر پر جائیں گے یہ ہماری خدمت کرے گا۔

اور پتہ چلا کہ جب بڑی تمناؤں کے ساتھ اس بیٹے کو جوان کیا، بجائے اس کے کہ وہ بوڑھے باپ کی خدمت کرتا، وہ جوان بیٹا ماں اور باپ کے سامنے مر گیا۔

اللہ اللہ! جو قیامت اُس وقت باپ کے دل پر گزرتی ہے، جو قیامت اس

وقت ماں کے دل پر گزرتی ہے اور یہ تو ہے کہ جب وہ مر گیا، ماں اور باپ کی یہ حالت دیکھ کر فرشتے زار و قطار رو رہے ہیں لیکن اگر اس سے بھی بڑا مرحلہ ہو، وہ یہ کہ مرا نہیں ہے بلکہ باپ سے کہا جائے کہ اپنے ہاتھ سے اس کے گلے پر چھری چلا۔

مرنے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کی طرف سے حکم آیا اور ماں اور باپ کچھ نہ کر سکے یا اپنے ہاتھ سے ذبح کرنا۔

عجیب منظر تھا اس وقت کائنات میں، مولاؑ کے عید الاضحیٰ کے ایک خطبے میں، اس وقت کی کیفیت بتائی گئی ہے۔ ابراہیمؑ، اسماعیلؑ کو لے کر چلے ہیں، زمین پہ لٹا کے گلے پہ چھری رکھ رہے ہیں۔ آسمان اور زمین کانپ رہے ہیں۔ ملائکہ بے چین و بے قرار ہیں۔ زمین پر دوڑنے والے پرندے، درندے اور چرندے گھبرا گھبرا کر خدا سے رحم کی دعا کر رہے ہیں۔ سمندر کی مچھلیاں بے چین ہیں، اتنا بڑا امتحان بوڑھے باپ سے۔

اور جب یہ سب بے چین و بے قرار ہیں تو شیطان کی پریشانی کا تو کوئی ٹھکانہ نہیں۔ شیطان کا انٹرویو، یہ میرا ایک سلسلۂ مجالس ہے جس کا خلاصہ ایک جملہ تھا کہ یا رسول اللہؐ! آپ کی اُمت کا کوئی آدمی نیکی کا کام کرتا، وہاں ایسا لگتا ہے کہ مجھے موت آرہی ہے۔

وہ نہ ہماری نماز برداشت کرے، نہ ہمارا صدقہ برداشت کرے، نہ ہمارا روزہ برداشت کرے، نہ ہمارے واجبات کی پابندی برداشت کرے۔

شیطان کہتا ہے کہ مجھ سے ہر چیز برداشت ہو جاتی ہے مگر کسی مومن کی عبادت برداشت نہیں ہوتی۔ روکتا ہے، بہت سارے اپنے کارندے بھیج دیے، جو آکر ہر جگہ ہمیں روکتے ہیں نیکی سے، دوستوں کی محفل میں بھی، دینی اجتماعات میں

بھی، کبھی کبھار منبر سے بھی، کہ کسی طرح سے یہ نیکی رُکے، تاکہ ہمارے گرو کو، ہمارے استاد کو راحت ملے۔

ایک عام مومن کی راہِ خدا میں ایک درہم کی قربانی شیطان کی راتوں کی نیند اُڑا دیتی ہے۔ یہ خود اس نے رسولؐ سے انٹرویو میں کہا اور کہاں ایک نبی کی قربانی کہ جوان بیٹے کے گلے پہ چھری چلا رہا ہے، شیطان برداشت نہیں کر پا رہا۔

یہ قربانی نہیں ہونی چاہیے، اس کو روکنا ہے، کیسے روکا جائے؟

اب اس زنجیر کی تین کڑیاں اس کے سامنے ہیں۔ یا تو ابراہیمؑ کو بہکا کے روکا جائے یا اسماعیلؑ کو بہکا کے روکا جائے اور یا ہاجرہؑ کو، جو ماں ہے، ممتا کا واسطہ دے کر روکا جائے۔

اب یہ تین کردار ہیں، ان میں سے اگر شیطان ایک کو بھی اپنے قابو میں کر لے تو یہ واقعہ رُک جائے گا۔

اور ایک جملہ سن لیجیے، تشریح بعد میں آئے گی۔ ابراہیمؑ اور اسماعیلؑ ہی نہیں، اگر ہاجرہؑ کو بھی شیطان بہکا دے تو ایک عورت اتنی طاقتور بھی ہو سکتی ہے کہ اپنے بیٹے یا شوہر کو نیکی کے راستے سے روک دے۔ آپ میں سے کتنوں کے گھروں میں ہوتا بھی ہے۔

آپ داڑھی کیوں شیو کرا رہے ہیں؟ ایک جواب یہ بھی ملتا ہے کہ مولانا! ہماری بیوی نہیں مانتی، وہ کہتی ہے کہ اس گھر میں یا بیوی رہے گی یا داڑھی رہے گی۔ دونوں اکٹھے نہیں رہ سکتے۔

اور یہ داڑھی تو ایک گناہ ہے اس کے علاوہ اور کتنے گناہ ہیں اور بظاہر تو اس واقعہ میں دو آدمی ہیں۔ ابراہیمؑ اور اسماعیلؑ۔

اگر ابراہیمؑ ہی کو بہکا دے شیطان تو وہ چھری ہی نہ چلائے، اسماعیلؑ کو بہکا

دے شیطان تو وہ باپ کا ساتھ دینے ہی پہ تیار نہ ہو۔

نہیں، ہاجرہؑ بھی ہیں، وہ بھی اگر شیطان کے بہکاوے میں آ گئیں۔

اب شیطان کی بھول دیکھئے، سب سے زیادہ اُس نے تین کرداروں میں کمزور کسے سمجھا؟ سب سے پہلے کس کے پاس گیا؟

ہر حاجی یہ تو جانتا ہی ہے کہ تین شیطانوں کو کنکر مارنے سے مطلب؟ اِس کے بہت سارے مطلب ہیں لیکن پہلی مرتبہ پہلا مطلب سامنے آیا کہ یہاں پہ بڑے شیطان کی جگہ پہ ابراہیمؑ نے کنکر مار کر شیطان کو بھگایا تھا۔ آخر میں اور درمیانی شیطان کی جگہ اسماعیلؑ نے کنکر مارا تھا باپ سے پہلے۔ لیکن چھوٹا شیطان جسے کہا جاتا ہے یہ وہ جگہ ہے کہ جہاں پر جناب ہاجرہؑ کو شیطان نے بہکانا چاہا۔

تو سب سے پہلے حضرت ہاجرہؑ کے گھر پہ گیا اور پھر جو کہا سنا وہ آپ مجلسوں میں بہت اچھی طرح سنتے ہیں کہ ہاجرہؑ سے کہا:

اے ہاجرہؑ! تم یہاں بڑے آرام سے بیٹھی ہو، تمھارا بیٹا مر رہا ہے۔

ماں نے کہا: ہو ہی نہیں سکتا، وہ اکیلا تھوڑا گیا ہے، اس کا باپ اُس کو لے کر گیا ہے۔ باپ سے زیادہ بیٹے کا محافظ اور کون ہوگا؟

شیطان نے کہا کہ یہی غضب ہے کہ جس باپ کو بیٹے کی حفاظت کرنا ہے وہی باپ بیٹے کے گلے پہ چھری چلا رہا ہے۔

کہا کہ ہو ہی نہیں سکتا، کیسے؟

کہا کہ اب ابراہیمؑ کا بڑھاپا، بڑھاپے میں دماغ کام نہیں کر رہا ہے، اس لیے بہک گیا۔ تو جلدی گھر سے نکلو ورنہ اپنے بیٹے سے ہاتھ دھو لوگی۔ بجائے شوہر کو روکنے کے ہاجرہؑ نے زمین سے پتھر اُٹھا کر شیطان کو مارے اور کہا کہ میں پہچان گئی تو شیطان ہے۔

اب اس کے بعد ذاکرین وعلماء کا بہت پسندیدہ جملہ ہے شیطان، اور کہا کہ تو نے مجھے پہچانا کیسے؟

کہا کہ تیری بات سے پہچانا۔ جو نبیؐ کے دماغ پر اعتراض کرے اور نبیؐ کی بیوی کو گھر سے نکالنے کی بات کرے، اُس کے شیطان ہونے میں کوئی شک نہیں ____ (نعرۂ حیدری)

شیطان نے دنیا کی تاریخ میں پہلا پتھر نہ کسی نبیؐ کے ہاتھ سے کھایا نہ کسی وصی کے ہاتھ سے کھایا، نہ کسی امامؑ کے ہاتھ سے کھایا۔ پہلا پتھر جو شیطان کے نصیب میں لکھا تھا وہ ایک کمزور بظاہر ایک گھر میں بیٹھنے والی عورت سے کھایا۔ اور شیطان کی بھول پتہ چل گئی کہ اُس نے یہ سوچا تھا کہ ان تین میں سے سب سے کمزور عورت ہے، اِس کو استعمال کرو، عورت ویسے ہی کمزور ہے۔ اور جب ممتا کا مسئلہ آجاتا ہے اولاد کا، تو عورت اور زیادہ کمزور ہو جاتی ہے۔

یہ تو اکبرؑ کی لیلیٰؑ نے، قاسمؑ کی فروہؑ نے، اصغرؑ کی ربابؑ نے بتا دیا کہ جہاں اللہ کا مسئلہ آجائے وہاں کوئی پیاری نہیں۔

تو یزید کی بھول کمزور عورتیں ہیں، کچھ ضعیف بوڑھی عورتیں ہیں اور کچھ چھوٹی بچیاں ہیں۔ کسی کے رُخسار پہ طمانچہ مار دو، کسی کے چہرے پہ کوڑا مار دو اور پھر یہ ایسا ڈر جائیں گی، دہشت زدہ ہو جائیں گی کہ قیامت تک میرے سامنے سر نہ اُٹھا سکیں گی۔ لیکن اُسی سکینہؑ کے قیدخانے کے ماتم نے اور اُسی کوڑے کا زخم لیے زینبؑ کے خطبات نے قیامت تک کے لیے یزیدیت کو وہ نقصان پہنچایا ہے کہ شاید کربلا کا جہاد اکیلا اتنا نقصان نہ پہنچا سکتا تھا۔

یہ یزید کی بھول، وہ شیطان کی بھول، دونوں کا خلاصہ یہ ہے کہ عورت کی اہمیت کو نظر انداز نہ کرو اور یہ اسلام ہے جو یہ کہتا ہے کہ دینِ خدا کی اُمید، دینِ خدا

کا سہارا، دینِ خدا پہ بھروسا، عورتوں پر مردوں سے زیادہ، اسلام کی راہ میں پہلا کلمہ پڑھنے والی ایک عورت ہے۔ اسلام کی راہ میں اپنا سارا مال خرچ کرنے والی ایک عورت ہے۔ اسلام کی راہ میں پہلا خون دینے والی عمار یاسرؓ کی ماں ہے اور اُس کے بعد یہ قربانیوں کا سلسلہ چلا۔

تو عورت کربلا کا پیام، عورت کے بغیر کوئی جہاد مکمل نہیں ہوتا ہے۔ خدا نے کہا: ''اے ایمان والو! دین کی مدد کرو''۔

مرد دین کی خدمت کر نہیں سکتا جب تک کہ عورت ساتھ نہ ہو اور دو طریقے سے آپ کی سمجھ میں آجائے گا۔ جب حسینؑ کربلا کے لیے مدینہ سے نکل رہے تھے اور پھر جب حج کو عمرے میں بدل کر مکہ سے نکلے تو بہت سے لوگوں نے حسینؑ کو روکا، سمجھایا، مشورہ دیا۔

اچھا ــــــ!

اب اس میں جو دھوکا باز ہیں، فریبی ہیں، ان کے مشورے چھوڑیے، کچھ مخلص لوگوں نے بھی مشورہ دیا، خاندان کے بعض بزرگوں نے بھی مشورہ دیا۔ اور کیا مشورہ تھا؟ حسینؑ ٹھیک ہے، تم امامِ وقت ہو ہم تمھیں نہیں روکتے ہیں۔ جاؤ یزید کے خلاف جہاد کرو مگر زینبؑ کو تو لے کر نہ جاؤ، عورتوں کو تو چھوڑ جاؤ نا۔

اور حسینؑ نے ایک عجیب جملہ کہا: بدر و اُحد کی لڑائی میں، بعض اوقات بے چین ہو کر عورتیں میدان میں آگئیں تو رسولؐ نے واپس بھیج دیا۔ کہا کہ یہ عورت کا جہاد نہیں ہے۔

حسینؑ نے کہا کہ اے عبداللہ ابن عباسؓ! میرا جہاد تو ہو ہی نہیں سکتا اگر میری بہن زینبؑ میرے ساتھ نہ ہو، اس لیے زینبؑ کا مشہور ترین لقب ہے شریکۃ الحسینؑ۔ یہ شریک ہیں حسینؑ کی۔

تو میرا جہاد کربلا کی آواز پر لبیک کہتا ہے اور جب آپ کربلا کی آواز پر لبیک کرنے جائیں گے تو عورتوں کی اہمیت کو فراموش نہ کریں اور خود عورت بھی اپنی اہمیت کو فراموش نہ کرے۔

دینِ خدا مردوں سے زیادہ عورتوں کی مدد کا حق دار ہے۔ آواز عورتوں کو دی جارہی ہے اور اب یہاں پہ میری پہلی تقریر، یزید کی بھول، شیطان کی بھی بنی۔ اور دوسری تقریر خاص طور پر جب مکاری کا ہتھیار معاشرے میں استعمال ہو، تو اُس وقت عورت کا جہاد مرد سے بڑا ہو جاتا ہے، جہاں تلواریں آئیں وہاں مرد جائے گا۔

دوسری تقریر ذہن میں رکھتے ہوئے میرے جملے سنیے گا: جہاں تیر آئیں وہاں مرد جائے گا، جہاں نیزے آئیں وہاں مرد جائے گا، جہاں برچھیاں آئیں وہاں مرد جائے گا، جہاں پتھر ہوں وہاں مرد جائے گا، جہاں کربلا میں مکاری کا ہتھیار استعمال ہوا تو عورت کا کردار وہاں پر زیادہ سخت ہو جاتا ہے۔

اگرچہ اتنی معیاری گفتگو، ایک صاحب نے یہ کہہ کے ذرا سا مذاق کا رنگ دے دیا کہ ہاں، مولانا! بات صحیح بھی ہے، اگر کہیں چوری کو روکنا ہے تو چور پر نگران مقرر کر دو۔ اُس کو پتہ ہے کہ کہاں کہاں سے چوریاں ہوتی ہیں۔ اگر معاشرے میں غنڈہ گردی پہ قابو پانا ہے، کسی غنڈے کو بنا دو ہوم منسٹر، اُس کو پتہ ہے کہ غنڈہ گردی کہاں ہے؟

ایک نمازِ شب پڑھنے والے محراب میں کھڑے مومن کو کیا پتہ کہ غنڈہ گردی کہاں ہوتی ہے؟ غنڈہ گردی کیسے ہوتی ہے؟ لیکن اگر آپ اِسے بُرے معنوں میں نہ لیں کیوں کہ قرآن نے کہا:

إِنَّ كَيْدَكُنَّ عَظِيمٌ ۝ (سورۂ یوسف، آیہ ۲۸)

"عورتوں کا کید اور مکر بہت بڑا ہوتا ہے"۔

تو عورت جانتی ہے کہ کس طرح سے معاشرے کو فریب دیا جاتا ہے۔ اب اگر وہ اپنی یہ صلاحیت دین کے لیے استعمال کرے تو۔

دیکھیے ــــــ!

کربلا کا جہاد دوسری تقریر تھی۔ مکاری کا استعمال ہے، مکاری کو عورت پہلے سمجھتی ہے، دلیل ہے ہاجرہؑ۔ ہاجرہؑ نے شیطان کی مکاری کو پہچانا ہے، شیطان کو شیطان کے جملوں سے پکڑا ہے۔

ایک اصول یہ بھی پتہ چلا کہ شیطان بھی مکاری کے جملے کہنے کے لیے مقدس و متقی آدمی کے روپ میں آتا ہے اور آپ متاثر ہو جاتے ہیں۔ بات تو بڑی اچھی کر رہا ہے، بات کی گہرائی میں جا کر دیکھیے۔

تو بہرحال ــــــ!

جب مکاری کا ہتھیار آئے گا تو عورتوں کو تیار ہو کے بیٹھنا ہے۔ دو وجوہات کی بنا پر، پہلی وجہ یہی ہے کہ عورت پہچان سکتی ہے کہ اس جملے کا مطلب یہ ہے اور عورت کو اس لیے بھی ہوشیار ہو کر بیٹھنا ہے کہ چونکہ آپ کی غلطی آپ تک لیکن عورت کی غلطی نسلوں تک ہے۔

ایک نہیں کتنے واقعات ایسے ہیں، طبی دنیا میں بھی آپ جانتے ہیں، ماں حاملہ ہے، کتنی پابندیاں اُس پہ آتی ہیں کہ فلاں چیز نہ کھانا۔

ارے! ایک چھوٹا سا بہت ہی معمولی سا مسئلہ کہ ایک حاملہ عورت اپنی مرضی سے کوئی دوائی استعمال نہیں کر سکتی کیونکہ حاملہ ہے، بلکہ پہلے ڈاکٹر سے پوچھے گی کیونکہ اکیلا عورت کا مسئلہ نہیں ہے بلکہ اُس بچے کا مسئلہ ہے جو عورت کے پیٹ میں ہے۔

عورت جب بچے کو دودھ پلاتی ہے تو کتنی پابندیاں اس پر عائد ہوتی ہیں کہ اگر تمھیں نمونیہ ہو گیا تو اثرات بچے تک جائیں گے جو آج سائنس کہہ رہی ہے،

یہ آج سے چودہ سو سال پہلے اسلام نے کہا تھا۔

ماں کی غذا کے اثرات بچے تک جاتے ہیں، ماں کی بیماریوں کے اثرات بچے تک جاتے ہیں، ماں کے کردار اور تقویٰ کے اثرات بھی بچے تک جاتے ہیں، جب ماں گانا سنتی ہے تو وہ ایک کان نہیں سن رہا بلکہ دو کان سن رہے ہیں، وہ ماں بھی سن رہی ہے اور ماں کے کان کے ذریعہ سے بچہ تک یہ آواز پہنچ رہی ہے۔

علامہ مجلسیؒ کا ایک بہت ہی مشہور واقعہ ہے۔ مجلسی اول، مجلسی ثانی نہیں۔ انھی علامہ باقر مجلسیؒ کے والد علامہ تقی مجلسیؒ تھے، علامہ باقر مجلسیؒ، حدیث کے ماہر تھے اور ان کے والد علامہ تقی مجلسیؒ وہ فقہ کے ماہر تھے، عظیم ترین مجتہد تھے۔

پوری کائنات توضیح المسائل جو ایک مرجع لکھتا ہے، چار سو صفحات کی کتاب ہے، اس کی ستر سال کی محنت اور راتیں جاگ جاگ کر گزارنے کا خلاصہ ہوتی ہے۔ اِس پوری کتاب میں اگر کسی مجتہد کا نام آیا تو صرف علامہ باقر مجلسیؒ کے والد علامہ تقی مجلسیؒ کا آیا۔

تیمم کے مسئلے میں جہاں یہ بحث کی ہے مراجع نے کہ پانی نہ ملے تو تیمم کرو، تو کیا مطلب کہ پانی نہ ملے؟ گھر میں پانی نہیں ہے تو مارکیٹ میں پانی ہے تو تیمم کرو؟

گھر میں پانی نہیں ہے لیکن ڈھونڈو تو مل جائے۔ پہلے ڈھونڈنا واجب ہے، اب کتنا ڈھونڈنا واجب ہے؟ یہ علامہ باقر مجلسیؒ کے والد علامہ تقی مجلسیؒ نے لکھا اور آج تک مراجع کوٹ کرتے ہیں دیکھ لیجیے گا۔

تو یہ مجلسی اول علامہ تقی مجلسیؒ، فقیہ، مجتہد، مرجع، انھی کا وہ خواب تھا جس خواب میں ان کو بھی مجلسی بنایا گیا اور بیٹے کو بھی مجلسی بنایا گیا۔ جب اُن کے گھر میں بیٹا پیدا ہوا تو اُس رات کہ جس رات کو اُن کی بیوی ڈلیوری کے مراحل سے گزر رہی

تھی، خواب میں دیکھا کہ میں چودہ معصومین علیہم السلام کی بارگاہ میں ہوں۔ میرے یہاں بیٹا پیدا ہوا، وہ بیٹا اس مجلس میں لایا گیا، ہر معصومؑ نے اسے اپنی گود میں لیا۔ آخر میں ان کے حوالے کیا جس کی وجہ سے یہ مجلسیؒ کہلائے اور بیٹا بھی مجلسیؒ کہلایا۔

بہت سارے واقعات ہیں، لیکن اس وقت جو اصل واقعہ ہے کہ چونکہ خود اتنے بڑے مرجع ہیں۔ فقیہ بیٹا علمِ حدیث کا ماہر ہے تو باپ علمِ فقہ کا ماہر ہے۔ جب شادی کی تو یہ معلوم تھا کہ مجھ سے زیادہ بچے کی ماں کے اثرات بچے پہ ہوں گے، بڑی شان سے شادی کی علامہ مجلسیؒ نے۔ کہا کہ شادی ایسے گھر میں کروں گا کہ لڑکی خوبصورت ہو کہ نہ ہو، پیسے والے گھر کی ہو کہ نہ ہو، لیکن تقویٰ اور دین داری میں بے مثال ہو۔

استاد حسین مظاہری نے اپنی کتاب خانوادہ گر اسلام میں بھی یہ واقعہ لکھ رہے ہیں۔

خلاصہ یہ کہ تلاش کیا، مل گئی لڑکی اور وہ بھی اتنے ہی بڑے مجتہد گھرانے کی، شادی کی پہلی رات، شوہر و بیوی نے مل کر طے کیا کہ ہماری جو زندگی ہے سو ہے، اپنے سے زیادہ اپنی اولاد کا خیال کرنا۔

اچھا ـــــ!

ہر آدمی کا ایک الگ لیول ہوتا ہے وہ بات اُسی کے منہ پہ اچھی لگتی ہے۔ اب معصومینؑ ہی ہیں کہ جو یہ کہہ سکے کہ ہماری دادی کا جنازہ رات کے اندھیرے میں اُٹھے گا تو تب بھی اس پہ گہوارہ رکھا جائے۔ یہ نہ ہم اپنے گھر کی خواتین سے کہہ سکتے ہیں اور نہ ہی یہ پیغام ان کے لیے ہے۔

جو بات بچہ کہتا ہے وہ بات بوڑھا کہے تو غلط ہے۔ جو بات عالم کہتا ہے وہ بات عام آدمی کہے تو غلط، جو باتیں عام کہتا ہے وہ باتیں عالم کہے تو غلط۔

تو بہرحال ـــــ!

علامہ مجلسیؒ اور ان کی بیوی دونوں مجتہد گھرانے کے ہیں۔ انھوں نے طے کیا کہ ہم زندگی میں جو کام کریں گے اپنے لیے بعد میں سوچیں گے، پہلے دیکھیں گے کہ اُس کام کا ہماری اولاد پہ کیا اثر پڑتا ہے۔

خیر! ہوگئی شادی اور اُس کے بعد بیوی حاملہ بھی ہوئی اور پھر یہ کہ بچہ بھی پیدا ہوا۔ علامہ باقر مجلسیؒ نہیں بلکہ ان کے کوئی اور بھائی، اور وہ بچہ بھی بڑا ہونے لگا۔

ایک دن ان کے محلے کا سقاء (پانی پلانے والا) روتا ہوا آیا۔

کہا کہ آج آپ کے صاحب زادے گلی میں بچوں کے ساتھ کھیل رہے تھے اور انھوں نے کھیل کھیل میں میری مشک پھاڑ دی اور رونے لگا۔

علامہ مجلسیؒ نے کہا کہ کوئی بات نہیں، میرے بیٹے نے کیا ہے تو میں ذمہ دار ہوں، پیسے دیے۔ علامہ مجلسیؒ سیدھا گھر میں آئے، بیوی نے کہا کہ خیریت تو ہے؟ آپ تو صبح سے لے کر دوپہر تک حوزہ میں ظہرین کی نماز پڑھ کے آتے ہیں آج صبح آٹھ بجے کیوں آگئے؟

کہا کہ میں ایک مسئلے پہ غور کرنے آیا ہوں۔ ہم نے اور تم نے سوچا تھا کہ بچے کی پوری اسلامی تربیت ہوگی، پھر بھی ہمارے بچے نے ایسا مذاق کیا کہ جس سے ایک مومن کو نقصان پہنچا، یا کہیں مجھ سے غلطی ہوئی ہے یا کہیں تم سے غلطی ہوئی ہے، ورنہ چھوٹا بچہ معصوم ہے۔ غور کرنے آیا ہوں تم بھی سوچو باپ کو کچھ یاد نہ آیا۔

علامہ مجلسیؒ کے والد چار سو سال پہلے کا زمانہ، علامہ مجلسیؒ کی وفات بہت آسان ہے، ایک ایک ایک ایک ـــــ 1111ھ، چار ایک ہیں۔

ان کے والد علامہ تقی مجلسیؒ اور بھی آپ پچاس سال پیچھے جائیے تو تقریباً چار سو سال پہلے۔

بیوی نے کہا کہ ایک چیز میرے ذہن میں ذرا کھٹک رہی ہے اس کے علاوہ مجھے اور کچھ یاد نہیں آ رہا۔

ایک دن میں اپنی ماں کے گھر جا رہی تھی، گرمی بہت زیادہ تھی، واقعہ اصفہان کا ہے، چلتے چلتے گلا سوکھا، پیاس بہت زیادہ تھی اور میرے ہاتھ میں سوئی تھی، جس سے سویٹر بُنا جاتا ہے۔

میں قریب ایک باغ سے گزر رہی تھی، پیاس زیادہ تھی۔ میں نے ایک سوئی اُس درخت میں داخل کر کے نکالی، کچھ قطرے اُس کے اُوپر جوس کے لگے تھے، میں نے انھیں چاٹا، چوسا، ماں کے گھر گئی، پانی پیا اور بیٹھ گئی۔

علامہ مجلسیؒ نے بے اختیار کہا کہ بس! میں نے پکڑ لیا۔ ماں نے ایک سوئی مومن کے باغ میں بغیر اجازت داخل کی ہے تو اس کا اثر بچے پہ یہ پڑا کہ بچے نے ایک غریب کی مشک کو تیر سے پھاڑ دیا۔

تو ماں کی اتنی سی خرابی بیٹے میں اور بڑی ہوتی ہے، اگر آپ کو یقین نہیں آ رہا تو کسی بھی ماہر سے پوچھیے۔

اولاد میں جسمانی بیماریاں شاید کم جاتی ہوں، روحانی بیماریاں زیادہ جاتی ہیں۔ اس لیے کہا کہ عورت کی ذمہ داری مرد سے بھی زیادہ ہے۔ مرد اگر گمراہ ہوں گے تو خود گمراہ ہوں گے۔ عورت اگر گمراہ ہوگی تو اپنے ساتھ قیامت تک کی پشتوں کو لے کر ڈوبے گی۔

ٹھیک سنبھلنے والے سنبھل بھی سکتے ہیں تو مکروفریب کا شکار۔ اگر آپ بنیں تو آپ کا مکروفریب ایک دائرے تک رہے گا اور اگر آپ کے گھر کی عورتیں مکروفریب کا شکار ہوئیں تو آپ کی ساری نسل ختم ہو جائے گی اور آج دنیا مکروفریب کی ہے۔

تو شیطان کو آج ہمیں اسی طرح بہکاتا ہے، جس طرح اس نے کربلا میں کوشش کی تھی۔ ہمارا عنوان "پیامِ کربلا" ہے۔ اور ایک جملہ میں کہوں اپنے آقا عباسؑ کی توہین کیے بغیر، بہت ڈر لگتا ہے اس قسم کے جملوں میں ـــــ! کہ آقا عباسؑ کی عظمت ایسی کہ انبیاءؑ بھی رشک کرتے ہوں گے عباسؑ کو دیکھ کر۔ لیکن عباسؑ کے حوالے سے بھی پیغام وہی ہے کہ اتنا عظیم عباسؑ اُم البنینؑ کا بھی اس میں بہت اہم حصّہ ہے۔

تبھی میرے مولاؑ نے یہ کہہ کر شادی نہیں کی تھی کہ میں تو علیؑ ہوں، علیؑ کا ہر بیٹا علیؑ ہوگا۔ نہیں علیؑ کا بھی بیٹا ہے، تب بھی دارومدار ماں پر ہے کہ ماں کیسی ہے؟

اگر زہراؑ جیسی ماں ہے تو حسنینؑ جیسے بیٹے ہوں گے اور زینبؑ جیسی بیٹی ہوگی اور اگر رتبہ میں زہراؑ سے کم ہے مگر باقی عورتوں سے افضل ہے تو عباسؑ جیسا بیٹا سامنے آئے گا۔ وہی جو بات تھی کہ جو مکروفریب سے بچا، جس نے کربلا میں دشمن کا برابری سے مقابلہ کیا وہاں بھی ماں، وہاں بھی عورت تو اب دشمن کربلا والا ہتھیار آج بھی استعمال کر رہا ہے۔ ہمارے خلاف تیر چل رہے ہیں کہ نہیں؟ تلواریں چل رہی ہیں کہ نہیں؟ نیزے چل رہے ہیں کہ نہیں؟

لبنان کو دیکھیں، عراق کو دیکھیں، افغانستان کو دیکھیں، پاراچنار کے شہداء کو دیکھیں، لاہور میں آپ نے پتہ نہیں کتنے لاشے شہداء کے اٹھائے ہوں گے، مگر یہ سارے ہتھیار تو چل ہی رہے ہیں جو کربلا میں بھی تھے۔

تو وہ ہتھیار کیسے رہ جائے گا کہ جو ظالموں نے عباسؑ جیسے، کاش شریعت میرے ہاتھ نہ کاٹتی کہ معصوم فقط چودہ ہیں تو میں عباسؑ کو بھی معصوم کہتا، لیکن اگر اصطلاحی انداز میں وہ معصوم نہیں ہیں تو معصوم سے کم بھی نہیں ہیں۔

کئی وجوہات ہیں کہ شریعت نے چودہ ہی کو معصوم ٹھہرایا۔ غالباً ایک وجہ یہ

بھی ہے کہ اگر ذرا سا اسلام اس میں اجازت دیتا تو خالی جناب عباسؑ کا نام نہیں آتا، آج کتنے جھوٹے بھی اپنا نام اس لسٹ میں شامل کروا لیتے۔

تو اب مکروفریب کا جال جو بچھایا جا رہا ہے جو کہ کربلا میں ہو چکا۔ اس کے لیے سب سے زیادہ بڑی رکاوٹ، مرجع ہیں۔

ذکرِ مصائب

پانچ روزہ سلسلۂ مجالس میں پیامِ کربلا کے حوالے سے ہم نے ساری تمہیدی باتوں کو جوڑ دیا، پہلی مجلس میں تھا: یزید کی بھول عورت کے حوالے سے، دوسری مجلس کے اندر تھا کربلا میں مکاری کا ہتھیار، تیسری مجلس کا اختتام آیا تھا مرجعیت کے حوالے سے، چوتھی مجلس میں ان سب کو جوڑا، پانچویں مجلس میں ان شاء اللہ نتیجہ آپ کے حوالے کروں گا۔

تو عورت، مکروفریب کو بھی روکنے والی ہے اور جب دین کو ضرورت پڑ جائے تو یہ خون دینے والی بھی ہے اور دین کو ضرورت پڑے تو یہ اپنی اولاد قربان کر دینے والی اور مشکل ترین مرحلوں میں اسلام بھی سکھانے والی ہے۔

میں نے اب تک مصائب پڑھے تھے کوفے کے بازار کے، کل ان شاء اللہ مصائب اختتام کو پہنچیں گے کہ یہ قافلہ حسینیؑ دربار میں پہنچ گیا۔

شام میں داخل ہوا تھا پہلی صفر کو، تو ابھی بازار کوفہ میں یہ قافلہ کھڑا ہے اور اسلام سکھا رہا ہے، قافلہ بازار میں کیوں کھڑا کر دیا گیا؟ ابن زیاد کا حکم آ گیا کہ ابھی دربار کی سجاوٹ مکمل نہیں ہوئی۔ محمدؐ کی نواسیاں نامحرموں کے درمیان جلتے سورج کے نیچے اُونٹوں پر بیٹھی ہیں، کوئی بات نہیں۔ ہمارے دربار کی سجاوٹ زیادہ اہم ہے۔

اور اس لیے کہ ابنِ زیاد کہتا ہے کہ میرا دل مطمئن نہیں ہوگا جب تک سارا مجمع اُن کو نہ دیکھ لے۔ آقا حسینؑ نے معجزہ دکھایا پہلی مجلس، اور منھی سکینہؑ نے اسلام سکھایا چوتھی مجلس آج!

نامحرموں کی توجہ ادھر ہوگئی، اتنا بڑا مجمع ہے اور کٹا سر تلاوت کر رہا ہے۔ قافلہ رُکا، ابنِ زیاد کا دربار جب تک پورا نہ بج جائے، یہ اُونٹ آگے نہیں بڑھیں گے۔ صرف حسینؑ کی تلاوت قرآن سے فائدہ یہ ہوا کہ مردوں کی توجہ ادھر ہوگئی، عورتیں مکان کی چھتوں پہ بیٹھی ہیں۔

ایک منھی سکینہؑ نے پھوپھی کی گود سے سر اُٹھایا، کہا: پھوپھی اماں! وہ تو جنگل تھا، یہ تو شہر ہے۔ کیا یہاں کوئی مجھے پانی دینے والا نہیں ہے؟ ذرا دیکھئے میرے ہونٹ کتنے زیادہ سوکھ گئے ہیں۔

عباسؑ کی شہادت کے بعد پہلی بار سکینہؑ نے پانی مانگا لیکن زینبؑ کیا جواب دے؟ مگر یہ اُونٹ جس مکان کے قریب رُکا ہے وہ ایک مومنہ کا مکان ہے اور وہ ایسی اکیلی رہ گئی ہے کہ اُسے پتہ ہی نہیں کہ گھر کے باہر کیا ہو رہا ہے۔ اُمِ حبیبہ اس کا نام ہے۔ آج چھت پہ آ کر بیٹھی تو ہے اور اسے پتہ بھی نہیں کہ آج کیا مسئلہ ہے؟ اُس نے دیکھا کہ میرے قریب جو اُونٹ آ کر رُکا ایک بوڑھی سفید بالوں سے منہ چھپائے بیٹھی ہے۔ اور ایک چار سال کی منھی بچی، نہیں پہچانا کہ کون ہیں۔ البتہ دو نشانیاں اسے نظر آ رہی ہیں۔ کانوں میں جما ہوا خون ہے، رخسار پہ طمانچوں کے نشان اور وہ بچی کہہ رہی ہے کہ میں پیاسی ہوں، مجھے پانی چاہیے۔

یہ بھی صاحبِ اولاد ہے، تڑپ گئی، دوڑ کر گئی پانی کا کوزہ لے کر آئی اور سکینہؑ کو دیا۔ سکینہؑ کے ہاتھ میں پانی آ گیا۔ پانی پینا چاہتی ہے کان میں اُمِ حبیبہ کی آواز آئی کہ اے بچی! پانی پینے کے بعد میرے حق میں دو دعائیں ضرور کرنا۔ میں

نے سنا ہے کہ خدا تم جیسے یتیموں کی دعا بہت جلد قبول کرتا ہے۔

سکینہؑ نے کہا کہ بتا تیری حاجت کیا ہے؟

اُم حبیبہ نے کہا کہ ویسے تو میری ایک دعا تھی، تمہیں دیکھ کر ایک اور دعا آ گئی ہے اور وہ دعا یہ ہے کہ خدا میرے بچوں کو تمہاری طرح یتیم و قیدی نہ بنائے۔

خدا جانے کس انداز سے سکینہؑ نے دعا کی ہوگی۔ اچھا اب تیری دوسری دعا کیا ہے؟

کہا: اب بڑھاپا آ گیا ہے، ایک بار اللہ مجھے مدینہ کی زیارت اور کرا دے۔

سکینہؑ نے سنا تو دعا کرنے لگی۔ دشمنوں کے شہر میں اپنے شہر کا نام سنا تو زینبؑ نے سر کو اُٹھا لیا اور کہا کہ اے مومنہ! مدینہ کیوں جانا چاہتی ہے؟

کہا: مدینہ میرے آقا علیؑ کا شہر ہے، میری شہزادی فاطمہؑ کا وطن ہے۔

زینبؑ نے کہا: اے ضعیفہ! اب تو علیؑ بھی نہیں ہیں، فاطمہؑ بھی نہیں ہیں۔

کہا: تو کیا ہوا؟ علیؑ کا بیٹا میرا آقا حسینؑ تو ہے۔ میری شہزادی زینبؑ تو ہے۔

کہا: خالی زینبؑ کا نام جانتی ہے یا زینبؑ کو پہچانتی بھی ہے؟

بڑے فخر کے ساتھ کہا: پہلے تو ہر سال اپنی بی بی کی زیارت کو جاتی تھی لیکن اب بڑھاپا ہے، لیکن میں زینبؑ کو نہ پہچانوں؟

ایک بار چہرے سے بالوں کو ہٹایا۔ اے اُم حبیبہ! غور سے دیکھو میں ہی تیری شہزادی ہوں۔ بس اُم حبیبہ نے دیکھا، صرف ایک سوال کیا:

ارے میری شہزادی! تیری چادر کہاں چلی گئی؟ بازوؤں میں رسیاں کیسے بندھیں؟ میرا آقا عباسؑ! ارے تیری چادر کا محافظ کہاں ہے؟

زینبؑ نے اشارہ کیا: خولی کے گھوڑے کی گردن میں دیکھ، ہائے میرا عباسؑ!!

إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ!
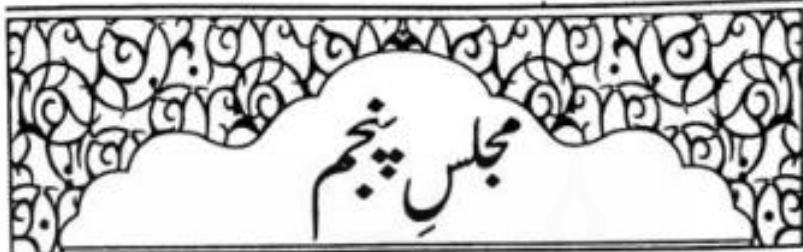
بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اِنۡ تَنۡصُرُوا اللّٰهَ یَنۡصُرۡكُمۡ وَیُثَبِّتۡ اَقۡدَامَكُمۡ ○ (سورۂ محمد، آیہ ۷)

وَقَالَ اَبُو عَبْدِ اللّٰهِ الْحُسَیْنِ: هَلْ مِنْ نَّاصِرٍ یَنْصُرُنَا

۱۴۲۹ھ کے اس عشرۂ ثانی کے اس خمسہ کی آج آخری گفتگو ہے اور چونکہ موضوع بہت زیادہ پھیل گیا ہے، اسے سمیٹنا بھی ہے اور جاتے جاتے ایک مختصر سا وعدہ بھی پورا کرنا ہے جو جاوا ہاؤس کی مجلس سے چلا آرہا ہے۔ اگرچہ یہ میرے لیے کوئی نئی بات نہیں ہے۔

جب میں مجالس کا سلسلہ کہیں بھی شروع کرتا ہوں ذہن میں جو باتیں ہوتی ہیں وہ ساری بیان نہیں ہوتیں۔ درمیان میں کچھ ایسی باتیں نکل آتی ہیں کہ پھر واپس جب تک میں گھوم کے اصل عنوان پہ آتا ہوں مجلسوں کا سلسلہ مکمل ہو چکا ہوتا ہے۔ اور اس کے لیے لوگوں نے کئی بار یہ کہا کہ مولانا! پانچ مجلسیں آپ کے لیے کم ہیں کیونکہ آپ فضول باتیں بہت کرتے ہیں۔

آپ دس مجالس پڑھیے۔ دس کے بعد بھی کہا کہ ناکافی ہوئیں، ماہِ مبارک رمضان کی ۳۰ مجالس اس میں بھی یہی مسئلہ رہا کہ تیس دن کے بعد بھی ہم وہیں پہ کھڑے تھے جہاں سے شروع ہوئے تھے۔

اب یہ ایک طالب علم کی ناتجربہ کاری ہے، اس اعتبار سے آپ حضرات میری اس کوتاہی کو نظر انداز کریں۔ اور میں خاص طور پر شکر گزار ہوں اس جامعۃ المنتظر کے اُن طلاب کا جو بڑی باقاعدگی کے ساتھ میرے اس طالب علمانہ بیان کو سننے آئے اور اس جامعہ کے اُن قابلِ احترام علمائے کرام کا، خصوصیت کے ساتھ آیت اللہ حافظ سید ریاض حسین صاحب کا جو مجھ جیسے طالب علم کے بیان کو دو دن سے سماعت فرما رہے ہیں۔ اور ان بزرگ علمائے کرام سے بھی توقع ہے کہ میری غلطیوں کو نظر انداز کریں گے۔

باب العلم فاؤنڈیشن، وہ تو یقیناً میرے شکریہ کی حق دار ہے جس نے مجھے اتنے بہترین مجمع میں خدمتِ دین کے ثواب لینے اور عزاءِ امامؑ کے خادموں میں نام لکھوانے کا موقع فراہم کیا۔

اور اس مجمع کا بھی میں شکر گزار ہوں۔ لاہور کی ستر سالہ ریکارڈ توڑ سردی میں یہ آئے، مکمل میرا بیان سنا اور اتنی کثیر تعداد میں آئے کہ مجھے وہ اپنا جملہ بھی واپس لینا پڑا کہ چونکہ جگہ بہت خالی ہے، جتنا ہو سکے پیچھے ہٹ جائیے۔ میں انتہائی شکر گزار ہوں۔

البتہ پہلی مجلس میں اپنا ایک طریقہ عرض کیا تھا اور وہ یہ ہے کہ میری مجالس کراچی کے ماحول کے مطابق ہوتی ہیں۔

تو آئیے ——!

عنوان پہ بات کی جائے۔ مومن کی ایک بہت بڑی ذمہ داری یہ قرار دی گئی ہے۔ ہر دور میں کہ جیسے رات کو دیہاتوں میں چوکیدار جاگتے رہو، جاگتے رہو کی آواز لگاتے رہتے ہیں، یہ مومن کا فریضہ ہے کہ خود بھی جاگتا رہے اور معاشرے سے بھی کہتا رہے کہ جاگتے رہو۔ گاؤں کے اندھیرے میں اگر سو گئے تو مال لوٹ لیا

جائے گا اور اگر آج کی اس دنیا میں سو گئے تو ایمان لوٹ لیا جائے گا۔ اور جیسے جیسے آخری زمانہ قریب آتا جا رہا ہے اور یہ تو روایات میں پہلے سے بیان بھی کیا گیا ہے۔

مختلف انداز سے بات کریں گے، عورتوں میں جا کر عورتوں کے مزاج کے خلاف کوئی شوشہ چھوڑیں گے۔ مردوں میں آ کر مردوں کے ذہن کے مطابق کوئی بات کریں گے، بچوں کو بچوں کے اعتبار سے گمراہ کریں گے، شہر میں کوئی اور بات کہیں گے۔ دیہات میں کوئی بات کریں گے لیکن سب کا خلاصہ یہ ہے کہ جو دین تمہارے پاس آج تک موجود ہے، اُس میں غلطی ہے (معاذ اللہ)

اکیسویں صدی کے اسلام کا جدید ایڈیشن تمہیں لینا ہے، اب مطالبہ یہ ہو رہا ہے کہ قرآن کریم کا نیا ایڈیشن چھپنا چاہیے۔

آپ کے بچے انٹرنیٹ پر بیٹھنے والے، انھیں تو پوری تفصیل معلوم ہے کہ نیا قرآن چھپ کر تیار ہو گیا ہے اور اس کے اندر آیات نکالی گئی ہیں۔ اس قرآن کی تصحیح کی جا رہی ہے اور اُن کی دلیل یہ ہے کہ چودہ سو سال تو بہت بڑی مدت ہے۔ سو سال ہی ہر چیز کو بدل دیتے ہیں، لہٰذا پرانی کتابیں اب نہیں چلیں گی اور اس کا ایک ہلکا سا ایڈیشن مارکیٹ میں آ گیا ہے۔ لیکن اس کے اندر ابھی اتنی بڑی تحریف نہیں کی گئی ہے۔ مگر تبدیلیاں آ رہی ہیں اور جو قرآن میں موجود ہے اسے نکالا جا رہا ہے اور جو قرآن میں نہیں ہے، وہ قرآن میں ملایا جا رہا ہے اور یہ غیر مسلموں کے لیے کام ہو رہا ہے اور ہمارے لیے یہ ہو رہا ہے کہ ساری دنیا کے شیعہ غلط ہیں، صحیح ہیں تو ہم ہیں۔

یہاں تو وہی ایک حدیث پڑھنے کو دل چاہ رہا ہے جو سب کے لیے ہے اور یہ حدیث ہم تک پہنچائی ایک بیٹی نے، اپنے باپ سے سن کر اور بیٹی بھی ایسی ہے کہ جس کا نام اس کی دادی کے نام پر رکھا گیا، یعنی امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام کی بیٹی

فاطمہؑ بنت حسنؑ، یہ وہی ہیں جو چوتھے امامؑ کی زوجہ بھی ہیں اور پانچویں امامؑ کی والدہ بھی۔

وہ یہ روایت کرتی ہیں کہ ایک دفعہ میرے بابا کے صلح نامہ پر دستخط کے بعد شیعوں کا ایک گروہ آیا اور اس وقت کے حالات پر بات چیت ہونے لگی۔ مظلوم ترین ہستیوں میں سے ایک ہیں جناب حسن مجتبیٰؑ۔

ایرانی ٹی وی چینل نے ایک فلم بنائی تھی امام حسنؑ پر۔ لیکن ہمارے یہاں میں حسن مجتبیٰؑ کے حالات بیان ہوتے ہیں مگر تاریخ میں وہ دور بیان نہیں ہوتا۔ ایک نوجوان مجھے دبئی میں ملا اور میں نے کہا کہ آپ یہ سی ڈی دیکھ لیں، جو میں نے ممبر پر پڑھی۔

کہتا ہے: مولانا! میں بہت سخت دل ہوں، میں اکثر پریشان ہوتا ہوں کہ عاشورہ کے دن جب ہر آدمی کی آنکھ میں آنسو ہیں اُس دن بھی مجھے رونا نہیں آتا۔ لیکن خالی جب میں نے یہ سی ڈی دیکھی تو اتنا رویا، اتنا رویا کہ زندگی میں آج تک اتنا نہیں رویا۔ بڑا ہی سخت ترین امتحان امام حسنِ مجتبیٰؑ کا تھا۔ حسنِ مجتبیٰؑ جس اُمت کے قائد ہیں وہ قوم امام حسنؑ کے خلاف ہے۔ دشمن کا تیر وہ تکلیف نہیں پہنچاتا جو دوست کے پھولوں کی چھڑی سے تکلیف پہنچتی ہے۔ امامؑ کا چاہنے والا امامؑ پر اعتراض کر رہا ہے۔

پہلی مجلس میں ایک بات آئی تھی، دوسرے حوالے سے آج گھوم کر آ گئی کہ کیا میں تمھارا امام ہوں یا تم میرے امام ہو؟ مجھے تمھاری مرضی کی بات کہنا ہے یا تمھیں میرے حکم پہ عمل کرنا ہے؟

تو پہلا امتحا ، حسنؑ کا، لوگ آئے، مخلص مومنین، مولاؑ! یہ کیا ہو رہا ہے؟ آپ کے چاہنے والے، آپ کے شیعہ اور آپ کے خلاف!

تو عوامی مزاج کے خلاف امام حسنؑ نے بات کی۔ یہ عوامی مزاج بہت اہمیت رکھتا ہے۔ سیاست میں چل جائے گا مذہب میں نہیں چلے گا۔ عام دنیا والوں کے سامنے چل جائے گا، کربلا والوں کے سامنے نہیں چلے گا۔ کربلا تو نام ہی ہے کہ جہاں عوامی مزاج ہو، اُس کے سامنے ڈٹ جانا۔

اب امام حسنؑ کہتے ہیں لیکن آخری زمانہ تو اس سے بھی سخت زمانہ ہوگا۔ امام حسنؑ کی بیٹی بھی سن رہی ہے جو نام کے علاوہ بھی صورت و سیرت میں بھی اپنی دادی سے شباہت رکھتی ہے وہ سن رہی ہے۔

کہہ رہی ہیں کہ میرے بابا نے کہا: آخری زمانہ تو اس سے بھی زیادہ خطرناک ہوگا اور وہ یہ کہ آخری زمانے میں ہمارے چاہنے والے دو ٹکڑوں میں تقسیم ہوجائیں گے، ایک دوسرے کو پہلے وہ بُرا بھلا کہیں گے، اس کے بعد ایک دوسرے پر لعنت کرنا اپنا فریضہ سمجھیں گے، شیعہ شیعہ پر لعنت کر رہا ہے اور پھر ہمارے شیعہ ایک دوسرے کے منہ پر تھوکنے کو عبادت سمجھیں گے اور پھر ایک دوسرے کو کافر کہیں گے اور آخر میں ایک دوسرے کے قتل پر تیار ہوجائیں گے۔

اور دشمن تو مختلف طریقوں سے ہمیں گمراہ کر رہا ہے، کوئی مرجع نہ تو محبت اہلِ بیتؑ میں کمی کا قائل ہے، نہ معرفتِ اہلِ بیتؑ میں کمی کا قائل ہے۔ نہ ولایتِ اہلِ بیتؑ میں کمی کا قائل ہے۔ مراجع کہتے ہیں کہ ولایتِ علیؑ ایمان کا جزو ہے، کوئی عبادت علیؑ کی ولایت کے بغیر قبول نہیں، نماز ہو کہ روزہ ہو کہ حج ہو وغیرہ (نعرۂ حیدری)

چھوٹی سے چھوٹی عبادت ہو یا بڑی سے بڑی عبادت ہو، جب تک ولایتِ علیؑ تمہارے پاس نہیں ہے اُس وقت تک کوئی عبادت قابلِ قبول نہیں ہے۔

ہر عبادت کا یہی اصول ہے۔

بڑے بڑے مراجع کے واقعات ہیں، مقدس اردبیلیؒ جیسا عظیم عالم۔

دیکھئے ۔۔۔۔!

ایک حد تو یہ ہے کہ ہم اور آپ کسی کو مقدس کہہ دیں لیکن امام خمینیؒ جب ان کا نام لیتے تو کہتے تھے کہ قال المقدس، مرحوم آقائے خوئی اپنے درس خارج میں اُن کا نام لیتے تو وہ کہتے مقدس۔ آیۃ اللہ خامنہ ای بھی تذکرہ کریں تو کہیں گے مقدس۔

اتنے مقدس انسان کہ اُن کے حالات میں ایک واقعہ لکھا ہے۔ کربلا میں رہتے تھے، نجف کی زیارت کو آتے تھے۔ ایک بار کربلا سے چلے نجف۔ وہاں سے کرایہ کا گھوڑا لے کر چلے، نجف میں داخل ہوئے۔

لوگوں نے دیکھا کہ مقدس گھوڑے کو لے کر نجف میں آئے لیکن پیدل آ رہے ہیں۔ گھوڑا خالی ساتھ میں ہے، خود پیدل چل رہے ہیں اور چہرے کی حالت، جسم کی حالت اور لباس پہ گرد وغبار بتا رہا ہے کہ ایسا نہیں کہ نجف کے قریب اُتر کر پیدل ہو گئے۔ پورا نہ سہی تو آدھا راستہ پیدل طے کیا۔

لوگوں نے دیکھا کہ مرجع آ رہا ہے، اتنا عظیم عالم آ رہا ہے، مرجع بھی ہیں، مقدس بھی ہیں، علم کی انتہا، تقویٰ کی انتہا، مگر پیدل آ رہا ہے اور ایسا عمل عقل میں نہیں آ رہا ہے۔

بھئی ۔۔۔۔!

اگر گھوڑا نہیں تھا اور پیدل آتے تو سمجھ میں آتا ہے لیکن گھوڑا ہو اور پیدل آئے یہ سمجھ میں نہیں آتا۔ پوچھا کیا بات ہے؟ کہا کہ دو حق ٹکرا رہے تھے، انھیں جمع کرنے کا اور کوئی طریقہ نہیں تھا۔

کہا: کون سے دو حق؟

کہا: جب میں گھوڑا کرایہ پر لینے گیا تو مالک نے کہا کہ گھوڑا تو آپ لے

جا رہے ہیں، اس پہ سامان کتنا رکھیں گے؟

کہا: سامان تو نہیں ہے، خالی زیارت کے لیے جا رہا ہوں۔

خیر! گھوڑا لے کر چلے، آدھے راستے میں گئے تو ایک مومن کھڑا ہے، اور بہت پریشان نظر آ رہا ہے۔ مقدس رُک گئے۔

کہا: کیا بات ہے؟ کہا: ایک بہت ہی ضروری خط اپنے بھائی کو نجف میں پہنچانا ہے۔ میں اس وقت جا نہیں سکتا تو آپ یہ خط لے جائیں اور میرے بھائی کو دے دیں۔

مقدس کہتے ہیں کہ میں نے خط لیا اور یہ سوچنے لگا کہ سواری کے مالک نے کہا تھا کہ میری سواری پر کتنا وزن رکھیں گے؟ میں نے کہا تھا کہ صرف پہنا ہوا جوڑا اور کچھ نہیں۔ یہ خط میں نے لیا اس کا بھی تو ایک وزن ہے اگر اس کو لے کر گھوڑے پہ بیٹھ جاتا تو یہ حرام ہو جاتا اور اگر مومن کو منع کر دیتا تو مومن کی حاجت کو رد کرتا خدا کو غضب ناک کر دے گا۔

ایک ہی طریقہ ہے میرے پاس، خط بھی لے لیا، مومن کی حاجت رد نہ ہو اور پیدل چلا تا کہ گھوڑے کے مالک پہ ظلم نہ ہو، واپسی میں اس پہ سوار ہو جاؤں گا۔

لوگ حیرت کے ساتھ دیکھ رہے ہیں، اتنا مقدس عالم مرنے کے بعد دیکھا۔

کہا: آپ تو جنت کے اعلیٰ ترین مقامات پر ہوں گے؟

کہا: ہاں، کس چیز نے آپ کو اس بڑے درجے تک پہنچایا؟ علم اتنا کہ مرجع تقویٰ ایسا ہو کہ صرف ایک نمونے کے طور پر آپ نے صرف واقعہ سنا لیکن ایک بار اشارہ کیا۔ خواب والے نے انھیں نجف ہی میں دیکھا، مولاؑ کی قبر کی جانب۔

کہا: جو ملا مجھے اس صاحبِ قبر کے طفیل ملا۔ اس کی ولایت نے سب دلوایا ورنہ نہ علم کام آیا، نہ تقویٰ کام آیا۔ سارے مراجع یہ واقعہ لکھتے ہیں:

علامہ حلی جیسا عظیم مرجع کہ بعض دشمنان اہلِ بیتؑ نے جل بھن کے یہ جملہ لکھا کہ شیعہ دین کو جعفری دین مت کہو، حلی کا دین کہو۔ اتنے بڑے عالم کہ علامہ علی الاطلاق صرف علامہ حلی ہیں۔ اگر آپ کسی مجتہد کی زبان سے سنیں کہ علامہ نے کہا: پوری چودہ سو سالہ تاریخ میں لفظ علامہ جب آئے گا تو اِس سے مراد صرف اور صرف علامہ حلی ہوں گے۔

آج بھی مسلمان ایک جملہ کہتا ہے کہ تاریخ اسلام میں کربلا کے بعد دردناک واقعہ ہے سقوطِ بغداد۔ جب بغداد پہ حملہ ہو رہا تھا اُس وقت علامہ حلی مرجع تھے۔ کس طرح شیعیت کو بچایا ہلاکو خان سے بھی اور دوسروں سے بھی۔ مرنے کے بعد بیٹے نے خواب میں دیکھا کہ بابا آپ کا رتبہ تو بہت بلند ہوگا۔

شیعہ تاریخ میں تحریری طور پر اتنا لٹریچر کسی نے نہیں چھوڑا جتنا علامہ حلی نے چھوڑا ہے۔ لیکن فرماتے ہیں کہ نجات جو ملی ہے تو صرف دو چیزوں سے ملی ہے: ایک کربلا میں جو حسینؑ کی زیارت کو جاتا تھا اور ایک وہ کہ جو مولاؑ کی ولایت پہ میں نے ایک کتاب لکھی جس کا نام ہے "الفین"۔ اُردو میں اس کا مطلب ہے دو ہزار۔ مولاؑ کی ولایت کی دو ہزار دلیلیں جمع کی ہیں علامہ حلی نے۔

علامہ حلی نے شیعیت کو تحفظ دینے کے لیے کتاب لکھی جس کا جواب ایک ناصبی نے لکھا۔ پھر اُس کا جواب شہید ثالث نے دیا تو اکبر بادشاہ نے ان کو شہید کرا دیا۔

یہ علامہ حلی کا کام ہے کہ شیعیت پر ہونے والے تمام اعتراضات کا جواب دیا لیکن آج علامہ حلی کا نام لے کر لعنت کے فقرے کہے جاتے ہیں۔ ہمارے مراجع اتنے خوفِ خدا میں ڈوبے ہوئے ہوتے ہیں، انھیں اقتدار نہیں چاہیے، انھیں کرسی نہیں چاہیے، انھیں قوم کی تقلید نہیں چاہیے، گھبراتے ہیں وہ، کتنے واقعات

ہیں؟ ہم سب کی خرابی ہی یہ ہے کہ ہمیں معلوم ہی نہیں ہے کہ ہمارا کتنا درخشاں ماضی ہے۔

ایک دو مثالیں دوں۔ سید ابن طاؤس، علامہ حلی کے استاد ہیں۔ مفاتیح الجنان میں تقریباً ہر دعا کے ساتھ ان کا حوالہ ہے۔

جس زمانے میں اُن کا دور تھا اُس وقت کوئی مجتہد یا مرجع نہیں تھا، انتہائی مشکل تھا ان کے لیے فتویٰ دینا، لیکن مجبوری ہے۔ جیسے ہی ان کا اپنا شاگرد علامہ حلی اجتہاد کی منزل پہ پہنچا انھوں نے مرجعیت کا دروازہ بند کر دیا۔ فتوے دینے بند کر دیے۔ کہا کہ جب وہ آ گیا ہے میں یہ ذمہ داری نہیں لیتا ہوں، لوگ میرے فتوے پر عمل کر کے جنت میں جائیں گے پھنسوں گا تو میں نا۔

شیخ مرتضیٰ انصاری، آج کوئی عالم حجۃ الاسلام لیول کا بھی عالم نہیں بن سکتا، آیت اللہ تو دور کی بات ہے۔ جب تک کہ شیخ مرتضیٰ انصاری کی ایسی کتاب کو نہ پڑھے کہ جس کی وجہ سے یہ کہا جائے کہ دو سال کے سارے مجتہدین اُن کے شاگرد ہیں۔ مگر فرماتے ہیں:

اگر کوئی آدمی آ کر مجھ سے ایک مسئلہ شرعی پوچھتا ہے تو میرے لیے یہ زیادہ مشکل ہے اور اگر آ کر کہے کہ اے شیخ! میں نے آپ کے سینے پر تیر مارنا ہے تو وہ آسان ہے میرے لیے۔ تیر کی تکلیف دنیا کی ہے، مسئلہ بتانے کی تکلیف آخرت کی ہے۔ وہ برداشت نہیں ہوتی۔

کتنے واقعات تاریخ شیعہ میں ہے کہ مراجع کے گھر پر چل کر یہ مرجعیت آئی۔ انھوں نے کہا کہ انھیں چاہیے کہ جب ہم سے بڑا موجود ہے، یہ کوئی سیاست نہیں ہے کہ ہر آدمی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد بنا رہا ہے علیحدہ۔

اگر بہت ہی ماضی قریب میں دیکھیں، جب آیت اللہ محسن الحکیم کا انتقال ہوا

تھا تو کتنے لوگوں نے جا کر اُن کے بیٹے (جنھوں نے نمازِ جنازہ پڑھائی) آیت اللہ یوسف الحکیم سے کہا کہ آپ مرجع بنیں، شہید باقر صدر آپ بنیں۔ دونوں نے منع کر دیا۔ جب ہم سے بڑا آیت اللہ آقائے خوئی ہے یا آیت اللہ خمینیؒ موجود ہیں ہم نہیں مرجع بنیں گے۔

تو بہر حال ــــــ!

بات اتنی لمبی چلی گئی کہ پیامِ کربلا کا حق ادا نہ ہوا۔ پیامِ کربلا کا حق ادا ہو ہی نہیں سکتا۔ پیامِ کربلا کا حق زمانے کا امامؑ ہی ادا کرے گا۔ لیکن جب آپ کربلا کو سوچیے تو ۶۱ ہجری میں شیطان والی غلطی نہ کریں۔

تیسری تقریر خالی وقت ضائع کرنے کے لیے نہیں تھی۔ آج بیٹھ کر یہ نہ سوچیں کہ ۶۱ ہجری میں اگر ہم ہوتے تو ہم یقیناً کربلا میں پہنچتے۔

یزید نے لوگوں کا ذہن خراب کرنے کے لیے ایسے ایسے الزام حسینؑ پر لگائے تھے، بڑی تعداد حسینؑ کے خلاف ہوگئی۔ پیامِ کربلا یہی ہے کہ جاگتے رہنا، ہوشیار رہنا، اپنے زمانے کی حجتِ خدا کو پہچاننا لیکن کربلا چودہ سو سال پہلے کی ہے تو ہم سمجھتے ہیں ہمیں کوئی مشکل نہ ہوتی کہ اگر ہم کربلا میں ہوتے۔ اِس سے زیادہ مشکل ہوتی جو آج ہے۔ آج اگر ہم اتنے بھولے بھالے اور سیدھے سادے ہیں، خدا جانے کربلا میں کیا ہوتے؟

کربلا کا پیغام ہے کہ آنکھیں کھولو، علم پڑھاؤ، ہوشیار ہو جاؤ۔ دشمن کبھی دشمن بن کر حملہ نہیں کرے گا بلکہ دوست بن کر حملہ کرے گا۔ اپنے زمانے کی کربلا کو پہچانو، تب ۶۱ھ کے حسینؑ کا ساتھ دے سکو گے۔

دیکھیے ــــــ!

باتیں بہت کرنا تھیں، لیکن اس اُمید کے ساتھ باتوں کو نامکمل چھوڑ رہا ہوں

کہ دیکھتے ہی دیکھتے ایک سال کا عرصہ گزر جائے گا۔ خدا نے زندگی دی تو پھر ملیں گے تو جو باتیں رہ گئیں وہ اُس وقت مکمل ہو جائیں گی۔ لیکن اللہ کرے کہ میں دوبارہ یہاں پر نہ آؤں اور یہ باتیں مکمل نہ کروں۔

بھئی ــــ!

ذکرِ مصائب

کیوں ــــ!؟ میرا امامؑ مجھ سے پہلے آجائے، امامؑ ہی کی حکومت قائم ہو جائے نہ مجھے یہاں آنے کی ضرورت پڑے نہ آپ کو یہ زحمت اُٹھانے کی۔

بات یہ ہے کہ کربلا میں سارے کے سارے دشمنانِ اہلِ بیتؑ، اتنے دشمن نہ تھے۔ ہاں، کربلا میں تو یہ تھا۔ حسینؑ نے خطبہ دے دے کر ہر ایک کو یہ بتا دیا تھا۔

کوفہ و شام میں کافی بھولے بھالے لوگ بھی تھے۔ اس اسیری اور قید کا ایک فائدہ یہ بھی تھا۔ ایک روایت آپ بہت سنتے ہیں۔ اگرچہ روایت پہلی صفر کی ہے یعنی یکم صفر ۶۱ ہجری سیدانیوںؑ کا قافلہ شام میں داخل ہو رہا ہے، خدا معلوم چھوٹے سے بازار کو طے کرنے میں گھنٹے کتنے لگے؟ کیا گزر رہی ہے زینبؑ پر۔

جب مکان کی چھت پر بیٹھنے والی عورتوں کے ہاتھ میں پتھر دیکھ رہی ہے۔ اور اپنے مظلوم بھائی کا کٹا سر، لیکن ایک بہت شریف مرد، عورتوں سے وہ بات بھی نہیں کرنا چاہتا۔ چاروں طرف دیکھا، قافلے میں ایک ہی مرد نظر آیا۔ راستے میں امام سجادؑ کو اُونٹ پہ بٹھایا جاتا اور جیسے کوئی بستی آجاتی تو اُتار کر مہارِ ناقہ ہاتھ میں تھما دی جاتی ہے۔

میرے مظلوم آقا اُس وقت اتنے کمزور تھے کہ آقا کے وزن سے زیادہ ہتھکڑیوں اور بیڑیوں کا وزن تھا۔ یہ جملے مقتل میں صرف دو جگہ پر آئے ہیں۔ ایک

اصغرؑ کے بارے میں آیا ہے کہ تیر کا وزن اصغرؑ کے وزن سے زیادہ تھا اور ایک امام سجادؑ کی ہتھکڑیوں اور بیڑیوں کے بارے میں آیا ہے۔

وہ آیا اور آنے کے بعد کہتا ہے کہ خدا کا شکر ہے کہ اللہ نے تم باغیوں کو اچھی سزا دی۔

مولا سجادؑ نے چہرہ اٹھایا اور فرمایا کہ اے شخص! چہرے سے تو تو مجھے مسلمان لگتا ہے۔

کہا اور کیا! اس لیے تو میں خوش ہوں کہ اللہ نے مسلمانوں کو فتح دی ہے۔

کہا: اگر مسلمان ہے تو قرآن بھی تو پڑھا ہوگا؟

کہا: میں حافظِ قرآن ہوں۔ کہا: آیتِ تطہیر یاد ہے؟ کہا: یاد ہے۔ کہا: آیت مودۃ یاد ہے؟ کہا: ہاں، یاد ہے۔ کہا: آیتِ ولایت یاد ہے؟ کہا: ہاں، بالکل یاد ہے۔ کہا: ذوی القربیٰ یاد ہے؟ کہا: ہاں، بالکل یاد ہے۔

کہا: مگر اے شخص! تو یہ سارے سوال کیوں کر رہا ہے؟

امامؑ نے فرمایا: یہ ساری آیات ہمارے ہی بارے میں نازل ہوئی ہیں؟ ہم ہی وہ ہیں کہ جن سے مودّت کا حکم آیا، ہم ہی وہ ہیں کہ جنھیں ولی بنایا، ہم ہی وہ ہیں کہ جن کی تطہیر کا اعلان قرآن کر رہا ہے۔

اللہ اللہ! ایک بار جو یہ سنا تو اپنی غلطی پہ ایسا نادم کہ سر سے عمامہ اُتار پھینکا۔ اپنا سر دیواروں سے ٹکرانے لگا: مولاؑ! کیا میرا گناہ معاف ہو سکتا ہے؟

کہا: بے شک، کتنی نرمی سے جواب دیا مولاؑ نے۔ کیونکہ یہ بھٹکا ہوا تھا، دل سے دشمن نہیں تھا۔ اور جو دل سے دشمن تھا، وہاں مولاؑ کا انداز ہی کچھ اور تھا۔

دربارِ یزید سجا، محمدؐ کی نواسیاں قیدی بنا کر کھڑی کی گئیں اور بے حیا یزید کے پاس وقت ہی نہیں ہے کہ یہ قیدی اتنی دیر سے کیوں کھڑے ہیں؟

یزید بڑا معروف ہے، اس کی معروفیت کے دو جملے تو میں بتا دیتا ہوں، تیسرا جملہ بتایا نہیں جاتا لیکن اس لیے بتانا پڑتا ہے کہ آج یزید کے وکیل صفائی دنیا میں بہت آ گئے ہیں۔ کہتے ہیں کہ کچھ نہیں کیا۔

یزید بہت معروف ہے، وہ کیا معروفیت ہے کہ محمدؐ کی نواسیاں دربار میں کھڑی ہیں اور اسے یہ بھی احساس نہیں کہ بوڑھی عورتیں، ننھے بچے کھڑے کھڑے تھک جائیں گے اور مسلمان تو اتنا بے غیرت ہے کہ ایک بھی نظر نہ آیا جس نے کھڑے ہو کر کہا ہو کہ ہم جوان مرد ہیں کھڑے ہو جائیں گے آپ بیٹھ جائیں اور بچوں کو بٹھا دیں۔

اور جب کسی پر ایسی مصیبت آ جائے کہ کوئی ساتھ دینے والا نہ ہو تو اپنا بہت یاد آتا ہے۔ زینبؑ نے ایک بار کٹے سروں کو دیکھا۔ عباسؑ تو نہ رہا تو آج تیری بہنوں کو یہ امتحان دینا پڑا ہے۔

مگر یزید کیوں معروف ہے؟ شراب پی رہا ہے، شطرنج کھیل رہا ہے اور ساتھ ساتھ چھڑی کو اٹھاتا ہے طشت میں ایک کٹا ہوا سر پڑا ہوا ہے، ایک بار دندان مبارک کے ساتھ بے ادبی کرتا ہے۔

عزادارو ــــــ!

آپ میں کچھ لوگ سر پیٹ رہے ہیں۔ آپ سے سننا برداشت نہیں ہو رہا۔ سکینہؑ کھڑی دیکھ رہی ہے، زینبؑ دیکھ رہی ہے، رباب ؑ دیکھ رہی ہے اور سب سے بڑھ کر میرا آقا سجادؑ۔

ایک بار یزید کی نگاہ اس عجیب منظر پر پڑی۔ سارا قافلہ عورتوں اور بچوں کا ہے اور صرف ایک مرد دیکھ رہا ہے۔ ایک بار کہا کہ تو کون ہے؟

کہا: میں علیؑ بن حسینؑ ہوں۔

یزید نے کہا: علیؑ تو کربلا میں مارا گیا۔

کہا: وہ میرا بھائی علی اکبرؑ تھا۔

یزید نے کہا: دیکھا! خدا نے بغاوت کی کیا سزا دی؟ کیسے ذلیل کیا؟

بس ـــــ!

میرے مولاؑ نے سنا تو کہا: اے یزید! ہمارے گھرانے کو اللہ نے رتبہ دیا ہے، ذلت تو تیرے مقدر میں آئی ہے۔

یزید نے جلاد کو حکم دیا کہ اس کو قتل کر دے۔

امامؑ نے کہا: اے یزید! تو مجھے موت سے ڈرا رہا ہے۔ موت تو ہماری عادت ہے اور شہید ہونا ہماری فضیلت ہے۔ مگر محافظِ سجادؑ، زینبؑ کو شامِ غریباں یاد آرہی ہے۔ میرا بھیا! آخری رخصت کے وقت سجادؑ کو میرے حوالے کر کے گیا تھا۔ ایک بار زینبؑ آگے بڑھی اور امام سجادؑ کے سامنے کھڑی ہوگئی اور کہا: جب تک زینبؑ زندہ ہے کوئی میرے سجادؑ کو نقصان نہیں پہنچا سکتا۔

یزید نے کہا: جلاد! پہلے زینبؑ کی گردن اڑا دو۔

بس ـــــ!

یہ منظر دیکھنا تھا، فضہ کو مدینہ یاد آ گیا، شہزادی فاطمہؑ دنیا سے جا رہی تھیں اور فضہ کو بلایا اور کہا کہ میں نے تجھے بہن کہا ہے، میرے بیٹے تیرے حوالے۔ فضہ حسنؑ کو نہ بچا سکی، حسینؑ کو نہ بچا سکی۔ فضہ! میری بیٹیاں تیرے حوالے۔

فضہ زینبؑ کو بچانے کے لیے آگے آئی۔ جلاد سے کہا: فضہ کی گردن اُڑا دے۔

اب فضہ مڑی۔ دربار میں حبشہ کے دو سو سردار ہیں۔ اے میرے ملک کے رہنے والو! تمہاری غیرت کو کیا ہوا؟

ننگی تلواریں نکل آئیں، یزید! خبردار! فضہ کو کچھ نہ کہنا۔

یزید نے حکم واپس لیا۔

یہ منظر دیکھ کر جناب زینبؑ نے مدینہ کا رُخ کیا اور کہا:

نانا! ایک کنیز کی حمایت میں دو سو تلواریں اور تیری بیٹی دربار میں بے ردا کھڑی ہے، زینبؑ کی حمایت کرنے والا کوئی نہیں۔

اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ!

مجلسِ ششم

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا امْرَاَتَ فِرْعَوْنَ ۘ اِذْ قَالَتْ رَبِّ ابْنِ لِيْ عِنْدَكَ بَيْتًا فِي الْجَنَّةِ وَنَجِّنِيْ مِنْ فِرْعَوْنَ وَعَمَلِهٖ وَنَجِّنِيْ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ (سورۂ تحریم، آیہ ۱۱)

قرآن کریم کی سورۂ تحریم چھیاسٹھویں سورہ ہے اور بعض ایسی وجوہات ہیں جن کی بنا پر اس سورہ کی تلاوت اور ترجمہ آج کل کے دور میں ہر مومن مرد اور ہر مومنہ عورت کے لیے پڑھنا اور سمجھنا انتہائی ضروری ہے۔

جیسا کہ حضرت امام خمینی رضوان اللہ علیہ نے اپنے ایک مشہور فتوے میں یہ جملہ ارشاد فرمایا تھا: ''مجتہد یا مرجع جب فتویٰ دیتا ہے تو فتویٰ بہت مختصر ہوتا ہے۔ زیادہ تر ''ہاں'' یا ''نہ''۔ سوال ہی یہی ہوتا ہے کہ فلاں کام ہم کرسکتے ہیں؟ تو جواب یہی ہوگا کہ ''ہاں'' یا ''نہ''۔ مولائے کائناتؑ نے تو ہر مومن کو اصول یہی دیا:

خَيْرُ الْكَلَامِ مَا قَلَّ وَمَا دَلَّ

''بہترین کلام وہ ہے کہ کم ہو اور جو to the point بات ہے وہ کہہ دو''۔

چونکہ خواتین کی مجالس کا ایک عنوان اپنی زبان پر کنٹرول کرنا بھی ہے تو

مولائے کائناتؑ کے اس فرمان پر ہمارے یہاں کی عورتیں تو عمل نہیں کرتیں۔ گھر میں آگ بھی لگی ہو تو کم از کم آدھا گھنٹہ اُن کا بیان چلے گا۔

لیکن مرجع اور مجتہد، "ہاں" یا "نہ" لیکن بعض مسائل اتنے اہم ہوتے ہیں اور بعض سوالات ایسے پوچھے جاتے ہیں جس کی وضاحت کے لیے مجبوراً مجتہد یا مرجع کو بھی تھوڑی وضاحت کرنا پڑتی ہے۔

اس وقت ہماری قوم میں اور خاص طور پر جو مجمع میری توقع ہے کہ یہاں جو بیٹھا ہوگا اس کے لیے شاہِ ایران ایک بہت پرانی داستان ہوگا، تقریباً تیس سال تو ہو چکے ہیں اس کو، ایران سے بھاگے ہوئے اور خواتین تو کبھی اٹھارہ سال سے زیادہ کی ہوتی ہی نہیں ہیں۔ اگر ہم ان کو تیس، پینتیس کا کرلیں تو شاہِ ایران آپ کے لیے ایک سنی سنائی داستان ہوگی۔

لیکن اُس نے اسلام کے خلاف جو اقدامات کیے تھے، اُن میں سے ایک وہ تھا کہ جو آج ہمارے پاکستان میں بھی ہماری بعض خواتین کا مطالبہ ہو رہا ہے۔ عورتوں کی آزادی اور اُس کے حوالے سے بہت ساری باتوں میں، ایک چیز یہ آتی ہے کہ مرد کو اگر یہ حق و اختیار حاصل ہے کہ وہ اپنی بیوی کو طلاق دے سکتا ہے تو آخر یہ اختیار بیوی کو کیوں نہیں ہے؟

عمدہ سوال ہے، لیکن اس کا جواب بہرحال یہی ہے کہ اسلام نے پورے طلاق اور نکاح کے مسائل کو دو جملوں میں بیان کیا ہے۔ شادی نہیں ہو سکتی عورت کی مرضی کے بغیر اور طلاق نہیں ہو سکتی مرد کی مرضی کے بغیر۔

اتنی سادہ بات نہیں ہے، اس میں وضاحتیں ہیں۔ لیکن آج کی تقریر ایک تمہیدی تقریر ہے، اس لیے میں تفصیلات میں نہیں جا رہا۔

تو خلاصہ یہ ہے کہ شاہِ ایران نے ایک قانون بنایا اور اس میں یہ اختیار

عورت کو بھی دے دیا گیا کہ وہ جب چاہے حکومتی کورٹ کے ذریعہ سے طلاق لے سکتی ہے۔

ہمارے یہاں یہ بہت مشہور ہو گیا ہے کہ اگر عورت کسی وجہ سے اپنے شوہر کے ساتھ نہیں رہنا چاہتی تو اسلام نے اُسے خلع کا اختیار دیا ہے اور یہ بالکل غلط مسئلہ ہے کیونکہ خلع بھی بغیر شوہر کی اجازت کے نہیں ہوگی۔ طلاق اسے کہتے ہیں کہ جس میں شوہر کہے کہ مجھے یہ بیوی پسند نہیں ہے، میں اسے چھوڑنا چاہ رہا ہوں اور خلع میں یہ ہے کہ اگرچہ مجھے یہ بیوی پسند ہے، لیکن جب وہ میرے ساتھ رہنے پہ راضی نہیں ہے تو اُس کی خوشی کی خاطر میں اُس کو طلاق دیتا ہوں۔

اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ عورت اگر مظلوم ہو تو اسلام نے اُس کے لیے کوئی راستہ ہی نہیں رکھا لیکن وہ خلع نہیں ہے۔ جو ہمارے یہاں بہت غلط فہمی پھیل گئی ہے کہ اگر شوہر ظلم کرتا ہے تو عورت خلع لے سکتی ہے۔ نہیں، خلع اِس کا نام نہیں ہے۔

کراچی میں کتنے گھرانے ہیں کہ جو اس وجہ سے تباہ ہو گئے کہ بچیوں کو یہ غلط فہمی ہوئی کہ خلع عورت لے سکتی ہے۔ کورٹ میں گئیں، طلاق لی، خلع لیا، دوسری شادی کر لی اور وہ دوسری شادی ہمیشہ ہمیشہ کے لیے حرام ہوگئی۔ جب تک کہ پہلا شوہر اُس سے شرعی طریقہ سے علیحدہ نہ ہو، دوسری شادی ہو ہی نہیں سکتی اور اگر کوئی کرلے تو یہ دوسرا والا شوہر اس کے لیے قیامت تک کے لیے حرام ہے، یہاں واپسی کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

ہاں! ادھر اگر ایک عورت کا شوہر غلط ہے تو اسلام نے وہاں راستہ رکھا ہے لیکن وہ خلع نہیں ہے۔

تو آیئے ـــــ!

حضرت امام خمینیؒ کے اِس جملے سے بات کو آگے بڑھائیں کہ جب شاہ

ایران نے یہ اختیار دے دیا کہ بغیر کسی وجہ اور سبب کے، اگر ایک عورت چاہے تو وہ کورٹ میں جا کر خلع لے کر آزاد ہو جائے۔

تو مرجع کا عام طریقہ یہی ہے کہ وہ صرف ایک جملہ لکھ دے کہ یہ طریقہ خلاف اسلام ہے، یہ جائز نہیں ہے لیکن مسئلے کی اہمیت کی وجہ سے اور شاہِ ایران کو عورتوں سے کون سی ایسی ہمدردی تھی کہ خاص اُن کے لیے قانون بنا رہا ہے۔

یہ تو ایک مسئلہ ہے کہ آج پوری دنیا ہماری عورتوں کی بڑی ہمدرد بن کر سامنے آرہی ہے۔ ایسا لگ رہا ہے کہ اس وقت سارے دشمنانِ اسلام ہمارے معاشرے کی، ہماری اسلامی عورتوں کی محبت میں مرے جا رہے ہیں۔ بیچاریاں بڑی مظلوم ہیں، بیچاریوں پر بڑا ظلم ہو رہا ہے۔

اس کے حوالے سے بھی امام خمینیؒ نے ایک جملہ کہا تھا: جب ۱۹۷۶ء میں عورتوں کی آزادی کا سال منایا گیا تھا تو کہا تھا کہ ہمارے یہاں مرد کون سے آزاد ہیں کہ ہم عورتوں کی آزادی کی بات کریں، ہمیں دونوں کو آزاد کرنا ہے۔

ساری مغربی طاقتوں نے اِس وقت اسلام کو قید کر رکھا ہے۔ مرد بھی قید ہیں اور عورتیں بھی۔ لیکن عورتوں سے جو اتنی ہمدردی ہے تو اس کے پیچھے اُن کا ایک مقصد ہے جو آج کی تقریر میں تو نہیں آئے گا۔ میں تو صرف اس فتوے کو مکمل کر دوں کہ انھوں نے بھانپ لیا کہ شاہِ ایران، اُسے عورتوں سے کون سی ایسی ہمدردی ہے کہ خاص ان کے لیے قانون بنا رہا ہے۔ مسئلہ عورتوں کی ہمدردی نہیں ہے۔ مسئلہ اسلام کو نقصان پہنچانا ہے۔

چنانچہ یہ جملہ لکھنے کے بعد کہ یہ قانون غلط ہے۔ انھوں نے آگے لکھا کہ اس قانون کا اصل مقصد ہمارے خاندانی نظام کو تباہ و برباد کرنا ہے لیکن اصل جملہ میرے اعتبار سے اس کے بھی بعد ہے۔ اور اسلام کی بنیادی اکائی، اسلام کی عمارت

کی پہلی اینٹ وہ خاندانی نظام ہے۔

میرا پورا ایک عشرہ ہے کہ اسلام ظلم کے ساتھ چل سکتا ہے، اسلام کفر کے ساتھ چل سکتا ہے لیکن اسلام بغیر خاندانی نظام کے نہیں چل سکتا۔ کیا وجہ ہے کہ ہمارے یہاں عاقِ والدین کی اتنی مذمت آئی ہے روایات میں، اور کیا وجہ ہے کہ ہمارے یہاں قطع رحمی کے گناہ کو اس انداز سے معصومینؑ نے بار بار بیان کیا ہے کہ کبھی یہ ارشاد فرمایا: ''جب اللہ نے جنت کو بنایا''۔

یہ ہمارے اور آپ کے بننے سے پہلے کی بات ہے تو جب جنت نے اپنے آپ کو دیکھا تو بے اختیار کہہ اٹھی کہ کتنا خوش قسمت ہوگا وہ آدمی جو میرے اندر داخل کیا جائے گا۔

جیسے ہی جنت نے یہ جملہ کہا تو خدا نے فوراً جنت کی بات کاٹ دی اور کہا:

''میری عزت کی قسم اور میرے جلال کی قسم! ساری کائنات تیرے اندر آ سکتی ہے، آٹھ گناہ گار ایسے ہیں کہ جو اندر داخل نہیں کیے جائیں گے''۔

جس دن جنت بنی ہے اُسی دن سے جنت کے مین گیٹ پر یہ بورڈ لگ گیا: no entry کہ آپ ایسے گناہ گار ہیں کہ جن کے لیے میرے اندر کوئی جگہ نہیں ہے۔

اب اگر اِس کے اندر ایک ہے شراب پینے والا، تو دوسرا ہے کہ جو اپنے رشتہ داروں سے تعلقات کاٹ کر بیٹھ گیا، برداشت ہی نہیں کر سکتا اسلام ایسے مومن کو۔

اس حوالے سے عورتوں کی ذمہ داری مردوں سے زیادہ ہے۔ آج کی اِس مصروف دنیا میں، جہاں واقعاً اپنے گھر کو عزت و آبرو سے چلانے کے لیے مرد کو زیادہ محنت کرنا پڑتی ہے۔ بہت سارے ایسے واجبات ہیں جس کی ذمہ داری عورت پر آتی ہے۔ خاندانوں کو جوڑ کر رکھنا، رشتہ داروں کے حقوق کو ادا کرنا، البتہ شریعت

کے دائرے کے اندر۔

تو جنت کے اُوپر یہ بورڈ لگا: "اب آیئے! دنیا کو دیکھ لیجیے"۔

بھئی ــــ!

آدمی یا آخرت لے لے یا دنیا لے لے، کیا کہنا اُس مومن کا جسے دونوں مل جائیں اور کتنا بدقسمت ہوا وہ کہ جسے دونوں نہ ملے۔ اور اگر اسلام پر عمل کرنے کی وجہ سے ہمارے ہاتھ سے دنیا نکل رہی ہے تو آخرت تو مل رہی ہے نا اور جب ہمارا امامؑ آجائے گا تو دنیا بھی ہمیں کو ملے گی اور آخرت بھی ہمیں کو ملے گی۔

مگر اُس آدمی کی نحوست کا کیا کہنا کہ جس کے ہاتھ سے آخرت تو گئی ساتھ ساتھ دنیا بھی گئی۔ یہ ہے رشتہ دار کا حق ادا نہ کرنے والا، کیونکہ مولائے متقیانؑ یہ ارشاد فرماتے ہیں:

"کیا میں تمھیں نہ بتاؤں کہ وہ کیا چیز ہے جو آدمی کی عمر سے برکت اڑا دیتی ہے۔ آدمی کے رزق سے برکت کو اُڑا دیتی ہے، آدمی کے گھر سے برکت کو اُڑا دیتی ہے اور شہروں کی تباہی کا سبب بنتی ہے؟"

یہ اُس امامؑ کا کلام ہے کہ جس کے کلام کو آج بھی دنیا دیکھتی ہے تو کہتی ہے کہ بار بار ہمیں دھوکہ ہونے لگتا ہے کہ یہ قرآن نظر آرہا ہے جس کے ایک ایک جملے کی سچائی پر چندرہ بیس سال بعد سائنس کی کوئی نئی دریافت بتا دیتی ہے اور چودہ سو سال پہلے علیؑ یہ بتا کر گئے تھے۔

لیکن وہ کہہ رہے ہیں کہ عمر سے برکت اُڑ جائے، روزی سے برکت اُڑ جائے، گھر سے برکت اُڑ جائے، شہر تباہ ہو جائے۔

چکرا گئے لوگ، حیران ہو گئے لوگ، مولاؑ! ایسا کون سا گناہ ہے؟

اور امامؑ نے فرمایا: قطع رحمی یا رشتہ دار سے تعلقات کو کاٹ کر بیٹھ جانا اور یہ

بھی فطری بات ہے کہ یہ گناہ، وہ لوگ زیادہ کرتے ہیں کہ جن کی جیب میں تھوڑے پیسے آجائیں۔

لیکن سوال یہ ہے کہ اسلام نے اِس گناہ کو اتنا بُرا کیوں سمجھا؟ اور اس کے بالکل برابر، صلۂ رحمی کے ثواب اور فضیلت کو بیان کیا، جس میں بالکل ان حدیثوں کے اُلٹ حدیثیں آئیں۔

مولاؑ! میں بہت کاروبار کرتا ہوں، مگر روزی میں برکت نہیں ہے۔

کہا: رشتہ داروں سے اچھا سلوک کرو۔

مولاؑ! میری عمر میں برکت نہیں ہے۔

اب یہ سارے موضوعات اتنے لمبے ہیں کہ پہلا جملہ جو مجلس کا میں نے کہا تھا ابھی اُس کو مکمل نہیں کر پا رہا ہوں۔

تو ابھی دنیا نے اتنی ترقی نہیں کی ہے، لیکن جو اسلام کی آج نہ سہی دس سال بعد پتہ چل جائے گی، لیکن اس کا کیا فائدہ ہے؟ اِس کا ایک اہم ترین فائدہ وہ ہے جو حضرت امام خمینیؒ کے فتوے کا تیسرا جملہ تھا۔

پہلا جملہ یہ تھا کہ یہ عمل حرام ہے، دوسرا جملہ یہ تھا کہ اور اس کا مقصد یہ ہے کہ جو طلاق وغیرہ کی اجازت دی جا رہی ہے عورتوں کو، کہ ہمارے خاندان تباہ کیے جائیں۔ تیسرا جملہ یہ تھا کہ اسلام کی بنیاد، اسلام کی عمارت کی پہلی اینٹ وہ ہے خاندان کا نظام، جس علاقے میں کفر ہو، وہاں پہ اگر آپ اسلام پہ عمل کرنا چاہیں تو کرلیں گے۔ دنیا کے جن علاقوں میں ظلم ہو، وہاں پر اسلام پر عمل کرنا چاہیں، کرلیں گے۔

لیکن دنیا کے جن علاقوں میں نفسانفسی ہے، آدمی بالکل تنہا اور اکیلا رہ جائے اپنے معاشرے اور خاندان سے کٹ کر، وہاں پر آپ دیکھیے گا کہ کس تیزی کے ساتھ اسلام ختم ہوتا ہے۔

خاندان کو بنانا، خاندان کو جوڑنا، خاندان کی خدمت کرنا، یہ عورت کی بڑی ذمہ داری ہے۔ تو اصل جو میں نے جملہ کہا تھا جس کی دلیل میں میں خاندان کو لے آیا، وہ یہ تھا کہ قرآن کریم کا سورۂ تحریم خاندانی نظام کے حوالے سے بڑی اہم اہم ہدایتیں دیتا ہے۔ اس لیے آج کے اِس دور میں جہاں ہمارا خاندانی نظام ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہے، ایسا ماحول بن گیا ہے کہ بھائی کو بھائی کی پرواہ نہیں ہے، بہن کو بہن کی خبر نہیں ہے۔

اس میں یہ سورۂ تحریم خاصا اہم سورہ بن جاتا ہے۔ لیکن اس پورے سورہ کی تفسیر بیان کرنے کا ان مجالس میں وقت نہیں ہے جس میں سے آج کی پہلی مجلس تو تقریباً ختم ہو چکی ہے۔ صرف اس کی آخری دو آیات اس لیے بہت اہم ہیں کہ پورے سورہ میں قرآن نے پیغام دیے اور وہ پیغام دیے ہیں جو آج اکیسویں صدی میں ہمارے اور آپ کے گھروں میں سب سے اہم بن کر آرہے ہیں۔ وہی جو میں نے کہا کہ خاندان ٹوٹ رہے ہیں، مگر قرآن اِس کے اندر باتیں کرتا چلا گیا۔

آخری دو آیات میں قرآن نے کہا:

وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

یہ ایک سوال کا جواب ہے کہ جب آپ ایک اچھی بات لوگوں کو بتائیں تو کہتے ہیں کہ مولانا! باتیں بالکل ٹھیک ہیں لیکن اس پر عمل کون کر سکتا ہے؟

تو قرآن نے اس سوال کا جواب، جو بات قرآن کو کہنا تھی وہ کہہ دی۔ پہلے ہی قرآن نے کہہ دیا کہ دیکھو! یہ نہ دیکھو کہ اِن باتوں پر عمل کون کرے؟

"اللہ ایمان لانے والوں کے لیے ایک مثال پیش کرتا ہے"۔

کہ عمل کرنے والا عمل کر سکتا ہے اور دو عورتوں کا نام قرآن نے لیا۔ اور سورۂ تحریم ایک عورت کی مثال لے کر آیا ہے اور خالی عورتوں سے نہیں کہا کہ یہ

عورتوں کی مثال ہے بلکہ تمام مردوں سے اور تمام عورتوں سے کہا۔

ہمارے ہاں ایک بڑی غلط فہمی ہو جاتی ہے کہ سوچا جاتا ہے کہ جنابِ سیدہؑ کی سیرت مردوں کے لیے نہیں بلکہ عورتوں کے لیے ہے۔ جنابِ زینبؑ کی سیرت عورتوں کے لیے ہے۔

اسلام نے اس طرح سے دو خانے نہیں بنائے کہ یہ مردوں والی سیرت ہے اور وہ عورتوں والی سیرت ہے۔ سیدہؑ کی سیرت مردوں کے لیے بھی ہے اور حسینؑ کی سیرت عورتوں کے لیے بھی ہے۔

مگر سورۂ تحریم میں قرآن خاص نام لے کر کہہ رہا ہے اور اُن مردوں کے لیے جو عورتوں کو کوئی اہمیت ہی نہیں دیتے۔ آج بھی ایسے مرد موجود ہیں جو یہ سمجھتے ہیں کہ عورت ناقص العقل ہے۔ اِن مردوں کے لیے تو میں اور آیت پڑھتا ہوں کیونکہ قرآن مردوں سے کہہ رہا ہے کہ عورت تمہارے لیے نمونہ ہے۔

وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا

''اللہ ایک مثال دے رہا ہے، نمونہ بنا رہا ہے، تمام مومنوں کے لیے''۔

عورت ہو تب بھی، مرد ہو تب بھی۔ کیا مثال بنا رہا ہے؟ دو عورتوں کی مثال دی، آج کا عنوان ہمارا صرف ایک عورت۔

اِمْرَاَتُ فِرْعَوْنَ ...... ''فرعون کی بیوی''

اس کے فوراً بعد دوسری مثال بھی آئی لیکن جنابِ مریمؑ کی آئی۔ جنابِ مریمؑ کی سیرت اور جنابِ آسیہ کی سیرت میں بنیادی فرق ہے۔ وہ فرق یہ ہے کہ جنابِ مریمؑ معصومہ ہیں۔ اب جب معصومہؑ کی سیرت آئے گی تو آپ صاف صاف کہہ دیں گی کہ ہم معصوم تھوڑی ہیں، اگر اللہ ہمیں معصوم بناتا تو ہم بھی ایسے

ہو جاتے۔

جنابِ آسیہ معصومہ نہیں ہیں، کسی اعتبار سے بھی قرآن نے اور حدیث نے اُن کی عصمت و طہارت کی گواہی نہیں دی ہے۔ وہ آپ اور ہماری طرح عام گھرانے میں پیدا ہونے والی ایک عورت تھیں۔ اس لیے میں جنابِ آسیہ کی مثال کو زیادہ اہمیت دیتا ہوں، اور قرآن نے بھی جنابِ آسیہ کا ذکر پہلے کیا ہے اور جنابِ مریمؑ کا ذکر بعد میں کیا ہے۔

ہاں ــــــ!

ٹھیک ہے کہ ایک وجہ یہ بھی ہوگی کہ چونکہ جنابِ آسیہ کا زمانہ پہلے تھا اور جنابِ مریمؑ کا زمانہ بعد میں لیکن شاید ایک وجہ یہ بھی ہو کہ جنابِ مریمؑ کی سیرت سن کر جو بھاگنے والیاں ہیں اُن کے پاس ایک بہانہ ہے کہ یہ تو ہیں ہی معصومہؑ۔ جنابِ آسیہ کی سیرت سے بھاگنے کا کوئی راستہ نہیں ہے۔

اللہ تمام مومنوں کو، مردوں کو بھی اور عورتوں کو بھی ایک نمونہ کی بات، ایک مثال کی بات دیتا ہے کہ "فرعون کی بیوی"۔

اچھا ــــــ!

اب ایک جملہ پہلے ہی سن لیجیے۔ مجھے پتہ ہے کہ عورتوں میں دو منتیں بہت زیادہ مشہور ہیں۔ ایک ہے بی بی سیدہؑ کی کہانی کی اور ایک ہے دس بیبیوں کی کہانی کی اور جنابِ آسیہ کا ذکر آپ نے سنا ہے اور یہ میری پوری تقریر کا عنوان نہیں ہے۔ صرف ایک بات اُن کی بیان کر کے، مجھے اپنے عنوان پہ آجانا ہے۔ لیکن پہلے فضائلِ آسیہ کا ایک جملہ سنئے اور وہ یہ ہے:

جنابِ آسیہ وہ خاتون ہے کہ جو اس دنیا میں کائنات کے سب سے بدترین انسان کی بیوی تھیں۔ کیوں قرآن میں خود خدا کہتا ہے کہ اللہ ہر گناہ معاف کردے

گا، شرک کا گناہ معاف نہیں کرے گا اور ایک نہیں بلکہ دو جگہ قرآن نے کھل کر یہ بات کہی ہے، تو شرک کا گناہ معاف نہیں ہے اور شرک کسے کہتے ہیں کہ آدمی ایک سے زیادہ خدا مانے۔

اور کوئی فرعون جیسا ہو کہ جو دو خداؤں کو کیا مانے، اپنے کو ہی خدا کہنے لگے، یہ تو شرک کی بھی بدترین قسم ہے۔ دنیا کا سب سے بڑا گناہ ہے شرک۔ اور پھر شرک کی بھی بدترین قسم ہے اپنے آپ کو خدا کہنا، یہ فرعون ہے۔

آسیہ کون ہے؟ اس فرعون کی بیوی یعنی کائنات کے سب سے بُرے انسان کی بیوی اور جنت میں جنابِ آسیہ رسولؐ خدا کی بیوی بنیں گی اور رسولؐ خدا اس کائنات کے سب سے افضل انسان ہیں، جن کا لقب ہی بتا رہا ہے کہ یہ "حبیبؐ خدا" ہیں۔ دنیا اللہ سے محبت کرتی ہے اور اللہ اِن سے محبت کرتا ہے۔

دیکھیے ——!

جنابِ آسیہ نے ترقی کی کتنی منزلیں طے کیں کہ سب سے بدترین انسان کے گھر سے بہترین انسان کے گھر میں جا رہی ہیں۔ ہمیں نہیں معلوم کہ جنت میں رسولؐ خدا کی کون کون بیویاں ہوں گی۔ روایت میں صرف دو عورتوں کے نام آئے ہیں: ایک حضرت اُم المومنین خدیجہ الکبریٰ سلام اللہ علیہا کا نام ہے اور ایک حضرت آسیہ کا نام آیا ہے۔

کوئی شک نہیں ہے کہ رسولؐ خدا کی دنیا کی ازواج میں سے بھی کئی ایسی ہیں کہ جو جنت میں یقیناً اُن کے ساتھ ہوں گی۔ جنابِ اُم سلمہؓ کی عظمت کو کون بھول سکتا ہے مگر مسئلہ یہ ہے کہ نام لے کر صرف دو عورتوں کا ذکر آیا۔ جنابِ خدیجہ طاہرہؑ اگر جنت میں رسولؐ کی بیوی ہیں تو حیرت نہیں ہے، یہاں بھی ہیں وہاں بھی۔ لیکن فرعون کے گھر سے جنت میں رسولؐ خدا کے گھر جانا یہ آسیہ کی منزل ہے۔

اور اللہ کوئی دنیاوی بادشاہ تو نہیں ہے کہ جیسے موڈ میں آیا ویسا انعام دے دیا بلکہ اللہ عادل ہے۔ اگر جناب آسیہ کو اتنا بڑا رتبہ دیا تو جناب آسیہ نے بھی اللہ کے لیے اتنی بڑی قربانی دی ہے۔ جو اللہ کے لیے کرو تو اللہ اُس کا بدلہ دے گا۔

جناب آسیہ کی یہ قربانی بہت بڑی ہے کہ بہترین شوہر ان کو ملا۔

دیکھیے ــــــــ!

فرعون انسان بڑا بدترین ہے، شوہر کے اعتبار سے بہترین ہے لیکن جناب آسیہ سے اتنی محبت کرتا تھا کہ جناب آسیہ کی خواہش پوری کرنے کے لیے اپنی جان خطرے میں ڈال دی۔

جب جناب موسیٰؑ نے بچپنے میں فرعون کی ڈاڑھی پہ ہاتھ مارا تھا تو فرعون سمجھ گیا تھا کہ یہ بچے کا ہاتھ نہیں ہے۔ اس نے واقعاً اِس طریقے سے میری ڈاڑھی کو پکڑا ہے جیسے کوئی دشمن میری داڑھی پکڑ لے اور اس کے لیے کیا مشکل ہے۔ اسی وقت جناب موسیٰؑ کو شہید کرادے صرف جناب آسیہ کے کہنے پر۔

اور ایک بات میں اکثر کہتا رہتا ہوں، وہ یہ کہ دنیا میں جتنے ظالم گزرے ہیں یہ ظالم ہیں لیکن بے وقوف نہیں ہیں۔

پیغمبرؐ خدا کی حدیث بھی ہے، مولاؑ کا فرمان بھی ہے کہ ظالموں کو ظالم سمجھنا، بے وقوف نہ سمجھنا۔ اب اگر وہ اتنی بڑی حکومتیں کر رہے ہیں تو عقل نہیں ہے مکر عیاری ہے، مکاری ہے، چالاکی ہے۔

فرعون اپنے کو خدا کہلوا رہا ہے، وہ اتنا نہیں جانتا؟ مگر جناب آسیہ کی محبت میں اسے چھوڑ دیا، جو جناب آسیہ نے منہ سے نکالا فرعون نے پورا کیا، اور جناب آسیہ نے سب کچھ ٹھکرا دیا۔ صرف اس وجہ سے کہ جناب موسیٰؑ کے پیغام کو قبول کرلیا، میرا رب تو وہ ہے۔

بہر حال ــــ!

فرعون کی ہزاروں برائیاں اپنی جانب، جناب آسیہ سے وہ دل سے محبت کرتا تھا لیکن کیا کیا جائے؟

جناب آسیہ نے سب کچھ ٹھکرا دیا، آسیہ کا یہی عمل اللہ کو پسند آرہا تھا۔ اور بھی عمل ہیں مگر جس کو قرآن نے بنیاد بنایا ہے اور جس کی وجہ سے انھیں دشمنِ خدا کے گھر سے حبیبِ خدا کی بیوی بتا رہا ہے کہ واقعا تم نے قربانی بہت بڑی دی ہے، اتنی بڑی قربانی دی تو اتنا ہی بڑا اجر ملے گا۔

انتقام کہاں پہ پہنچا تھا؟ جب جناب آسیہ کو جلتی ریت پہ لٹایا گیا تھا اور ایک دن نہیں بلکہ ہفتوں وہاں پہ لٹا کے ہاتھ اور پیروں میں میخیں گاڑ کے ان کو جلتی ریت پہ چھوڑا گیا اور سینے پر چکی رکھ کر اسے چلایا جا رہا ہے۔

یہ واقعہ جناب آسیہ کے بڑھاپے کا ہے، یہاں تک کہ چار گھوڑوں سے ان کے ہاتھوں اور پیروں کو باندھا گیا اور گھوڑوں کو دوڑایا گیا جس کی وجہ سے جسم ان کا چار ٹکڑوں میں تقسیم ہو گیا۔ اسی وقت جناب آسیہ کے دل میں ایک ہی بات تھی اور بار بار جناب موسیٰؑ سے کہتی تھیں جو صبح و شام اپنی منہ بولی ماں کو دیکھنے ضرور آتے تھے۔ اور فرعون کا حکم تھا کہ سارا شہر وہاں سے گزرے تاکہ لوگ دیکھ کر ڈریں کہ جو اپنی ایسی محبوب بیوی کو نہ چھوڑے تو ہمیں کیا چھوڑے گا۔

تو جناب موسیٰؑ جب بھی آتے تو کہتے کہ اے مادرِ گرامی! کوئی خواہش آپ کی ہے؟ تو ایک ہی جواب دیا:

اے نبیٔ خدا! اتنا بتا دے کہ اب بھی اللہ مجھ سے راضی ہوا کہ نہیں ہوا؟

اللہ کی رضامندی ملے، یہ جناب آسیہ کی اتنی بڑی فکر تھی اور جناب موسیٰؑ جو بڑے بڑے مرحلے دیکھ چکے ہیں، ان کی آنکھوں میں بھی آنسو آ گئے۔ کہا کہ اللہ تم

پہ اتنا راضی ہے کہ جو میرا بھی سردار ہے، اللہ آپ کو ان کی بیوی بنانے والا ہے۔
دیکھئے ــــــ!

اس سے بڑا انعام کائنات میں اور کیا مل سکتا ہے، لیکن یہاں پر ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ آسیہ اتنا امتحان دے کر بھی پریشان ہیں کہ اللہ راضی ہے کہ نہیں۔

• اور ہمارے مرد، ہماری عورتیں اور ہمارے جوان، اللہ کے نام پر ایک ناخن تک قربان نہ کریں اور اتنے مطمئن بیٹھے رہیں کہ اللہ تو ہے ہی ہم سے راضی۔ جنت تو ہے ہی ہماری۔

یہ نہیں ہے اسلام، اسلام قربانی دینے کا نام ہے، اسلام اللہ کے نام پہ کچھ دو تو پھر اس کے بدلے اللہ سے کچھ لو اور یہ ایک بار نہیں بلکہ خدا نے بار بار بتا دیا:

وَ لَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَیْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَ الْاَنْفُسِ وَ الثَّمَرٰتِ (سورۂ بقرہ، آیہ ۱۵۵)

یہ آیت صرف امام حسین علیہ السلام کے لیے نہیں آئی بلکہ ہر مومن کے لیے آئی ہے کہ اگر تم اپنے آپ کو مومن کہہ رہے ہو تو اللہ تمھارا امتحان لے گا، کبھی بھوک اور پیاس سے۔

بھوک اور پیاس کا امتحان یہ نہیں ہے کہ جیسے کربلا والوں کا لیا گیا۔ ہمارا امتحان یہ ہے کہ مالِ حرام سے اپنے کو بچانے کے لیے ہمارے گھر میں فاقے بھی آ جائیں تو ہمیں قبول ہے۔

تھوڑی سی یہ بات مردوں کے حوالے سے ہوئی کیونکہ زیادہ تر ہمارے یہاں مرد ہی نوکری کرتے ہیں اور گھر میں پیسہ لاتے ہیں۔ لیکن جو فکر سیدہؑ کو مالِ حلال کے بارے میں تھی اتنی فکر کنیزِ سیدہؑ کو مالِ حرام کے بارے میں ہو۔

سیدہ طاہرہؑ گھر سے نکل کر کوئی نوکری وغیرہ نہیں کرتی تھیں نعوذ باللہ! جس

دن سارے مدینہ میں عید منائی جارہی تھی بغیر چاند والی، سارا مدینہ خوش تھا۔ صحیح مسلم میں حضرت عائشہ کا جملہ تو آپ سنتی ہیں کہ خیبر کی فتح سے پہلے ہم نے کبھی کھجور تک نہیں کھائی پیٹ بھر کر، مدینہ کھجوروں کا شہر ہے، یہ غربت تھی۔ خیبر کی فتح میں اتنا مالِ غنیمت ملا کہ پہلی بار لوگوں نے مدینہ میں پیٹ بھر کر کھانا کھایا مگر اس دن فقط ایک گھر تھا کہ جس میں فاقہ تھا اور وہ سیدہؑ کا گھر تھا اور بڑی بے چینی سے شہزادی اپنے حجرے کے دروازے پہ کھڑی تھیں۔

مدینہ کی ہر عورت اپنے گھر کے دروازے پر کھڑی ہے۔ وہ سب انتظار کر رہی ہیں اور ایک ساتھ قافلہ آ رہا ہے۔ سیدہؑ بھی بے چین و بے قرار ہیں۔ سیدہؑ کا شوہر سب سے آخر میں آیا اور آخر بھی ایسا نہیں۔ سب سے آخر، اور خالی آ رہے ہیں، کچھ بھی نہیں ہے ہاتھ میں۔ اور شہزادی ایک سوال یہ کہ آپ خالی ہاتھ کیوں آ رہے ہیں؟

لیکن یہ سوال اس انداز کا نہیں ہے کہ جیسا سوال آپ اپنے شوہروں سے پوچھتی ہیں۔

شہزادی پوچھ رہی ہیں کہ اے ابوالحسنؑ! آپ خالی ہاتھ کیوں آئے؟ اور دیر سے کیوں آئے؟ کوئی جواب نہیں۔ سر جھکا کے آخر اتنا کہا کہ جب میں آ رہا تھا تو میرا گزر ہوا قباء کے قریب سے، سب لوگ وہی سے آ رہے تھے۔

اچھا ــــــ!

اب قباء میں رہتے کون تھے؟ قباء میں رہتی تھیں مدینہ کی بیوہ عورتیں۔ جن کے مرد اُحد یا بدر میں مارے گئے تھے تو یہاں سے گزرے۔ سارا قافلہ گزرا سب نے یہ منظر دیکھا، مگر ہر ایک کو تو اپنے بچے یاد آ رہے ہوں گے۔

مولاؑ کہتے ہیں کہ اے بنتِ رسولؐ! جب میں گزرا تو میں نے دیکھا کہ ان

مجاہدین کی بیوائیں پردہ کے پیچھے بڑی حسرت سے یہ منظر دیکھ رہی ہیں۔ مولاؑ نے کہا کہ اے بنتِ رسولؐ! ان بیواؤں کی یہ عاجزی مجھ سے نہ دیکھی گئی اور جتنا میرا حصّہ مالِ غنیمت میں تھا، میں ان تمام یتیم بچوں اور ان تمام بیوہ عورتوں میں اپنا حصّہ تقسیم کردیا۔ آخری گھر تک پہنچتے پہنچتے میرے ہاتھ خالی رہ گئے۔

بس ــــــ!

وہیں زہراؑ نے دروازے کی چوکھٹ پر شکر کا سجدہ ادا کیا۔ خداوندا تیرا شکر ہے کہ دولتِ دنیا، درہم و دینار وغیرہ میرے گھر میں داخل نہیں ہوا۔ اگر کوئی محروم نظر آرہا ہے تو وہ حسنؑ اور حسینؑ مگر ہم سے یہ مطالبہ نہیں کیا جارہا۔ اہلِ بیتؑ نے کبھی ہم سے ایسا مطالبہ کبھی نہیں کیا جو ہماری طاقت سے زیادہ ہو۔

لیکن اس سے پہلے کہ کوئی مومن یا مومنہ یہ جملہ کہے کہ خداوندا! فاطمہؑ تھیں، میں کہاں؟ میں تو ان کی کنیز فضہ سے بھی بدتر ہوں تو فوراً خدا نے جواب دے دیا کہ اچھا! چلو اگر فاطمہؑ کی سیرت تمہیں اس لیے مشکل لگ رہی ہے کہ وہ معصومہ تھیں تو آسیہ، اللہ نے مثال وہ دے دی اور یہ آپ کی ذمہ داری بنی۔

اور ایک بات کا خیال رکھیے گا، وہ یہ کہ آج کی اس دنیا میں، یہ ڈش انٹینا اور کیبل نے دنیا بھر کو اتنا قریب کردیا ہے کہ ایک سیکنڈ میں یورپ دیکھ سکتی ہیں اور اگلے سیکنڈ میں امریکہ دیکھ سکتی ہیں۔

پہلے وہ ساری چیزیں جو ہم سوچ کے چپ ہوجاتے تھے، آج وہ ساری آنکھوں کے سامنے ہیں۔ اس میں آپ مجھ جیسے بوڑھے لوگوں کی بات کو سن کر عمل کرنا چاہیں تو آپ کا اتنا مذاق اڑایا جائے گا کہ نہ آپ کسی خاندانی تقریب میں شریک ہوپائیں گی، نہ آپ کسی شادی کے پروگرام میں جاپائیں گی۔ یزید نہیں آئے گا آپ کا مذاق اڑانے، ابوجہل نہیں آئے گا آپ کا مذاق اڑانے۔

سب بارہ امامی مومن، اگر آپ وہی سادہ لباس پہن کر جائیں، برقعہ پہن لیا تو لباس کا مزہ ہی چلا گیا اور جب آپ نے جا کر مطالبہ کیا کہ عورتوں اور مردوں کے کس مجمع میں مجھے بیٹھنا ہی نہیں۔

تو یزید وغیرہ آپ کا مذاق اڑانے نہیں آئے گا۔ آپ کے اپنے خاندان کی عورتیں آپ کا مذاق اڑائیں گی۔ آپ کے اپنے گھر والے آپ کا مذاق اڑائیں گے لیکن آپ کو اس کا ثواب ملے گا۔

تو یہ مذاق، یہ پتھر قیامت کے دن ہمارا نشانِ حیدر بن کر ہمیں جنت میں لے جائیں گے۔ جنت میں تو سب جائیں گے مگر یہ ہم کو بڑا درجہ دلوائیں گے۔

کسی نے مجھ سے کہا کہ مولانا! اس کو عقل قبول نہیں کرتی، کوئی ماں اپنا بیٹا قربان کردے اس سے بڑا ثواب ملتا ہے؟ میں نے کہا: جی۔

ذکرِ مصائب

کہا کہ کوئی دلیل ہے؟ میں نے کہا کہ دلیل ہے میرے مولا سجادؑ۔ اس سے بڑی دلیل کیا ہوگی۔ آقا سجادؑ سے ایک سوال وہ کیا گیا جو بعض ہمارے نوحے بن چکے ہیں اور ایک سوال دوسرا کیا گیا۔

پہلا مومن آتا ہے، یہ کربلا کے واقعہ کے بعد کربلا کی تفصیلات لوگوں کے سامنے ابھی مکمل کر نہیں آئی ہیں۔ مومن نے آکر چوتھے امامؑ سے پوچھا: فرزند رسولؐ! آپ کربلا کے وارث ہیں۔ مولاؑ! یہ بتائیے کہ آپ کو سب سے بڑی مصیبت کیا تھی؟

اگر ہم بیٹھے ہوتے جیسے کچھ لوگوں کی عادت ہے، سوال کسی سے کیا جائے اور جواب وہ دینے لگتے ہیں۔ ہم بیٹھے ہوتے تو ہم آگے بڑھ کر کہتے کہ مولاؑ! قاسمؑ

کا تذکرہ کیجیے جس کا تیرہ برس کا نازک سا بدن ٹکڑے ٹکڑے ہوا۔ اور اگر کوئی ہوتا تو کہتا کہ مولاؑ! اکبرؑ کا تذکرہ کیجیے جس کی شہادت نے حسینؑ کو جوانی میں بوڑھا کر دیا۔ اور اگر کوئی اور ہوتا تو کہتا کہ اصغرؑ کا ذکر کیجیے جس کا لاشہ سات مرتبہ لے کر میرا مولاؑ آگے بڑھا، سات مرتبہ میرا مولاؑ پیچھے ہٹا، فیصلہ نہیں کر پا رہا ہے۔

ہم یہ سارے واقعات کہتے لیکن معلوم ہے آپ کو کہ میرے مولا سجادؑ نے فرمایا: الشّام، الشّام، الشّام۔ ہائے وہ بازارِ شام! ہائے وہ دربارِ شام!

یہ پہلا سوال ہے اور جب منہال کوفی نے ایک اور سوال کیا، کہا: مولاؑ! میں تیس سال سے آپ کو روتا دیکھ رہا ہوں، مولاؑ! آپ تیس سال سے ماتم کر رہے ہیں، کب تک ماتم کریں گے؟

فرماتے ہیں: منہال! تو نے انصاف نہیں کیا ہے، کیا قرآن نہیں پڑھا؟ یعقوبؑ کا ایک بیٹا تھا، وہ بھی مارا نہیں گیا، خالی کھو گیا تو اتنا روئے کہ آنکھیں سفید ہو گئیں۔ میں نے تو اپنی آنکھوں سے اپنے گھرانے کے اٹھارہ یوسفؑ کے لاشے کربلا کی جلتی ریت پر پڑے دیکھے ہیں۔

منہال نے کہا: مولاؑ! شہادتیں تو راہِ خدا میں ایک بڑا امتیاز ہے۔ آپ کا گھرانہ شہید ہوا، اس پر کس لیے روتا؟

امام سجادؑ نے کہا: منہال! اگر میں مان لوں کہ شہادت تو ایک رُتبہ ہے، تو اتنا بتا کہ بازاروں میں اور درباروں میں، پھوپھیوں اور بہنوں کو ننگے سر دیکھنا کیا یہ بھی کوئی رُتبہ ہے۔

ارے! سجادؑ گھرانے کے لاشوں پہ کم رو رہا ہے اور پھوپھیوں کے بے ردا ہو جانے پہ زیادہ ماتم کر رہا ہے۔

اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّا اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ!

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اِنَّ اَوَّلَ بَیْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِیْ بِبَکَّۃَ مُبٰرَکًا وَّ ھُدًی لِّلْعٰلَمِیْنَ ○ فِیْہِ اٰیٰتٌ بَیِّنٰتٌ مَّقَامُ اِبْرٰھِیْمَ وَ مَنْ دَخَلَہٗ کَانَ اٰمِنًا (سورۂ آلِ عمران، آیہ ۹۶-۹۷)

پیغمبرؐ اسلام کے پیغام کے پہلے اور تیسرے حصّے پر شہنشاہ ذاکرین چودھری فجر حسین قیصر صاحب حق ادا کر چکے ہیں اور اس فرمان کا بیچ والا حصّہ باقی رہ گیا ہے اور چونکہ نمازِ مغرب کا وقت قریب ہے اس لیے میں کسی قسم کی تمہید میں وقت ضائع کیے بغیر عنوان پہ آ رہا ہوں۔

سورۂ آلِ عمران کی تلاوت کی گئی ہے کہ جو اپنے آخری حصّہ میں زیادہ مشہور ہے کہ:

وَ مَنْ دَخَلَہٗ کَانَ اٰمِنًا وَ لِلّٰہِ عَلَی النَّاسِ حِجُّ الْبَیْتِ

اس میں حج کا حکم آ رہا ہے لیکن یہ آیت آغاز میں بھی اور اختتام پر بھی بہت سارے پیغامات دے رہی ہے۔ آیت کا ترجمہ یہ ہے:

"یاد رکھو! سب سے پہلا گھر جو تمام انسانوں کے لیے بنایا گیا، جو مکہ کی سرزمین پر ہے، برکتوں والا ہے اور ساری کائنات کی ہدایت کرتا ہے۔ اس میں کھلی نشانیاں ہیں، خاص طور پر مقامِ

ابراہیمؑ اور جو اس میں داخل ہو گیا وہ امن میں ہے"۔

چونکہ میری مجالس میں شرکت کرنے والوں کی اکثریت مجھ سے خصوصی ربطۂ محبت رکھتی ہے، حج کے حوالے سے تو وہی لوگ آجاتے ہیں جو حج کے حوالے سے مکہ اور مدینہ کی سرزمین پر مجھ سے ملاقات کر کے وہاں پر میرے بیانات سن کر ایک محبت و اُلفت کا رشتہ رکھتے ہیں۔ اس لیے آیت سرنامۂ کلام میں مَیں نے وہی بتائی جو میرے اور ان کے درمیان ایک کنکشن کو جوڑنے والی ہے۔

اچھا____!

اس آیت کی دو تشریحیں ہیں: پہلی تشریح مَیں یہاں کر رہا ہوں اور اسی آیت کی ایک اور تشریح ہو گی وہ ان شاء اللہ کل رات جامعۃ المنتظر کی مجلس میں آئے گی:

اِنَّ اَوَّلَ بَیۡتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ

"سب سے پہلا گھر جو انسانوں کے لیے بنایا گیا"۔

تو اب ایک سوال تو ایسا ہے کہ جو منبر سے اکثر کیا جاتا ہے اور اس کا جواب بھی منبر سے دیا جاتا ہے، آپ کو معلوم بھی ہے۔ لیکن ثواب کی نیت سے مَیں بھی وہی بات دہرا دوں کہ قرآن کہے کہ سب سے پہلا گھر، وہ بنایا مکہ کے اندر اور تاریخ بھی یہ گواہی دے کہ سارے انسانوں کی ہدایت کے لیے بنایا جانے والا گھر، ہزاروں سال گزر گئے، کسی ایک انسان کو بھی نہ تو وہاں بلایا گیا، نہ اس کی جانب رُخ کر کے سجدہ کروایا گیا۔

بنایا ہے انسانوں کے لیے، خانہ کعبہ کا مقصد ہے اس کو قبلہ بنانا اور تاریخ بتائے کہ ہزاروں سال، اس لیے کہ خانہ کعبہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے نہیں بنایا ہے۔ حضرت آدمؑ نے بنایا ہے۔ جب حضرت ابراہیمؑ آئے تھے تو خانۂ خدا موجود تھا۔

رَبَّنَآ اِنِّیْٓ اَسْکَنْتُ مِنْ ذُرِّیَّتِیْ بِوَادٍ غَیْرِ ذِیْ زَرْعٍ
عِنْدَ بَیْتِكَ الْمُحَرَّمِ (سورۂ ابراہیم، آیہ ۳۷)

سورۂ ابراہیم کی آیت ہے کہ اے خدا! میں اپنی بیوی ہاجرہؑ اور اپنے بیٹے اسماعیلؑ کو ایسی زمین میں چھوڑ کر جا رہا ہوں جہاں گھاس کی پتی بھی نہیں اُگتی ہے۔

تو پھر کیوں چھوڑ کر جا رہے ہو؟ اس لیے کہ:

عِنْدَ بَیْتِكَ الْمُحَرَّمِ

"یہاں پر تیرا محترم گھر ہے"۔

سوال یہ ہے کہ آدمؑ سے بننے والا گھر اور قرآن کہہ بھی دے کہ یہ سارے انسانوں کے لیے ہے، تو اگر نہ پیشانی جھکائی جا رہی ہے، اور نہ ہی طواف کرایا جا رہا ہے، خاص طور پر قبلے کے حوالے سے بیت، لیکن ہمیں اور آپ کو معلوم ہے کہ اللہ کا ایک طریقہ ہے:

وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِیْلًا ○ (سورۂ فتح، آیہ ۲۳)

"اور اللہ کا وہ طریقہ کبھی نہیں بدلتا"۔

اللہ کا یہ طریقہ کب ہمارے سامنے آیا؟ حضرت آدمؑ کے وقت، پروردگار نے آدمؑ کے پتلے کو بنایا اور وہ آدمؑ کا پتلا بھی ہزاروں سال پڑا رہا، لیکن خدا نے کہا:

فَاِذَا سَوَّیْتُهٗ وَ نَفَخْتُ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِیْ فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِیْنَ ○ (سورۂ حجر آیہ ۲۹)

"اے ملائکہ! یہ آدمؑ بنے ہیں قبلے کے لیے، لیکن ابھی ان کی طرف رُخ کر کے سجدہ نہ کرنا"۔

جب اس میں میں اپنی روح کو ڈال دوں گا تب تمھیں اس کے سامنے

پیشانی جھکاتا ہے۔

پتا چلا کہ جب قبلہ بنا کرتا ہے تو بنتے ہی پیشانی نہیں جھکائی جاتی، جب تک کہ اس میں روح نہ آ جائے۔ تو جب خانہ کعبہ کی روح علیؑ ابن ابی طالبؑ کی شکل میں نہیں آئے گی وہ قبلہ قرار نہیں پائے گی۔ (نعرۂ حیدری)

اور دوسری بات قرآن نے یہ کہی کہ مُبَارَکًا یہ برکت والا ہے۔

ہم پہ یہاں ایک اعتراض ہوتا ہے اس کا جواب اس آیت میں آ گیا اور وہ اعتراض یہ کہ ہم اپنے آئمہؑ کو خصوصاً مولاؑ کو انبیاءؑ سے افضل قرار دیتے ہیں، یقیناً رسولؐ خدا کو چھوڑ کر تیرہ معصومینؑ تمام انبیاءؑ سے افضل ہیں۔

اور یہ ہم نہیں کہہ رہے ہیں، قرآن کہہ رہا ہے۔ یہ ہم نہیں کہہ رہے پیغمبرؐ اسلام کہہ رہے ہیں۔ یہ ہم نہیں کہہ رہے ہیں جگہ جگہ اسلام اس کے اشارے دیتا جا رہا ہے۔ جس میں ایک آیت شامل ہے۔ حضرت نوحؑ قرآن کہتا ہے کہ نو سو پچاس سال تک تبلیغ کرتے رہے اور اس کے بعد پھر طوفانِ نوحؑ آیا اور اس کے بعد جناب نوحؑ کی کشتی ٹھہری۔ کون سی جگہ؟

اَنْزِلْنِیْ مُنْزَلًا مُّبٰرَکًا

"پروردگار! مجھے برکت والی جگہ پہ اُتارنا"۔

ہزار سال کی تبلیغ کے بعد، اتنا عرصہ گزارنے کے بعد نوحؑ جس منزل پہ اُتر رہے ہیں وہ برکت والی منزل ہے۔ اور علیؑ جب پیدا ہی ہوا ہے وہ جگہ مبارک قرار پائی یعنی جہاں نبوت کی انتہا ہوتی ہے وہاں سے امامت کا آغاز ہوا کرتا ہے۔

لیکن ہم اس قسم کے اعتراضات سے نہیں گھبراتے، دلیل رکھتے ہیں۔ دلیلوں سے سمجھاتے ہیں لیکن اگر ہم پہ یہ اعتراض ہوتا ہے کہ علیؑ کی محبت میں تم لوگ گمراہ ہو رہے ہو اور علیؑ کو انبیاءؑ سے افضل قرار دے رہے ہو تو ہمیں کوئی

پریشانی نہیں ہے۔

کیونکہ تاریخ نے بتایا کہ ہم کیا ہیں؟ رسولؐ اللہ پر یہ الزام لگا دیا کہ علیؑ کی محبت میں رسولؐ گمراہ ہو گئے ہیں۔

قرآن کریم کی مشہور آیت:

وَالنَّجْمِ إِذَا هَوٰى ○ مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوٰى ○ وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ○ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحٰى ○

"کہ ہمارا حبیب کچھ نہیں کہتا وہی کہتا ہے جو وحی کہتی ہے......"

اس سے پہلے کی آیت کہ "یہ رسولؐ گمراہ نہیں ہوا ہے، راستے سے نہیں ہٹا ہے"۔

ہمارے مفسرین نے لکھا ہے کہ مدینہ میں پیغمبرؐ پہ یہ الزام لگ گیا کہ علیؑ کی محبت میں گمراہ ہو گئے ہیں۔ جو چیز ہے علیؑ کو عطا کر رہے ہیں، جو فضیلت ہے علیؑ کو عطا کر رہے ہیں۔ علم ہے تو علیؑ کو دے رہے ہیں، ذوالفقار ہے تو علیؑ کو دے رہے ہیں۔ سورۂ دھر ہے تو علیؑ کے بارے میں تلاوت کر رہے ہیں۔ علیؑ کو اپنے جگر کا ٹکڑا دے رہے ہیں۔

تو پیغمبرؐ پر الزام آ گیا، تبھی تو دو مرتبہ، خندق کی لڑائی میں بھی جب علیؑ نے اُٹھ کر جانا چاہا، تو تین بار رسولؐ نے روک دیا۔ علیؑ تم نہ جاؤ، یہ جو اعتراض کرنے والے ہیں نا، آج تو کلِ ایمان کی سند مل رہی ہے، کوئی یہ کہہ دے کہ رسولؐ سب علیؑ کو دے رہے ہیں، جاؤ جس کو لینا ہے کلِ ایمان کی سند۔

تین بار رسولؐ نے کہا: کوئی نہ اُٹھا، اُٹھنا تو درکنار دوسروں کو بھی ڈرا رہے ہیں۔ اور ایک بار خیبر میں اللہ کا رسولؐ خیمے میں گوشہ نشین ہو گیا۔ اچھا! تمھیں بڑا شوق ہے نا، فضیلتیں لینے کا، جاؤ مرحب کے مقابلے میں۔

جانے والے گئے بھی، اور آئے تو بس یہی جھگڑا ہوتا رہا کہ لشکر کہتا رہا یہ بھاگ گئے اور یہ کہتے رہے کہ لشکر بھاگ گیا۔ کسی نے مصالحت کروادی کہ نہ یہ بھاگے، نہ وہ بھاگے بلکہ گھوڑا بھاگ گیا۔ تو ارے! جو ایک گھوڑے کو نہ سنبھال سکا وہ اسلام کو کیا سنبھالے گا۔ (نعرۂ حیدری)

لیکن پھر بھی اتنا الزام لگایا گیا پیغمبرؐ پر کہ داماد کی محبت میں بہک گئے، ہر چیز علیؑ کو عطا کر رہے ہیں۔ خاص طور پر اس دن تو یہ اعتراض بڑھ گیا کہ جب رسولؐ اللہ جلال کے عالم میں کھڑے ہوئے، جتنے لوگوں کے گھر مسجدِ نبویؐ کے اطراف میں تھے، ایک ایک سارے دروازے بند کرا دیے۔ پہلے تو لوگوں کو بڑا صدمہ ہوا، لیکن پھر مزہ آنے لگا۔

ارے! علیؑ کے گھر کا دروازہ بھی بند ہو جائے گا، تو آج علیؑ ہم جیسے ہو جائیں گے۔ مگر یہ جو دیکھا کہ سارے دروازے بند کرتے کرتے جب رسول علیؑ کے دروازے پر آئے، اسے کھلا چھوڑ کر آگے بڑھ گئے۔

اب تو یہ اعتراض اور بڑھ گیا۔ دیکھا! داماد کی کیسی طرف داری۔ ہمارے گھر کا دروازہ بند کر دیا۔ داماد ہے تو اس کے گھر کا دروازہ کھلا چھوڑ دیا۔ پیغمبرؐ کو منبر پر آ کر چڑھنا پڑا کہ خدا کی قسم! میں نے کسی گھر کا دروازہ نہ تو خود سے بند کیا ہے اور نہ کھلا چھوڑا ہے۔ جس کے لیے خدا کا حکم آیا اللہ کے حکم سے اس کا دروازہ بند ہوا اور جس کے لیے اللہ کا حکم آیا، اللہ کے کہنے سے اس کے گھر کا دروازہ کھلا رہا۔

میرا دل چاہتا ہے کہ میں رسولؐ سے کہوں، یا رسولؐ اللہ! اِن عقل کے اندھوں کو کیا صفائی پیش کر رہے ہیں جن کی سمجھ میں اتنی سی بات نہ آئی کہ علیؑ کو اپنے جیسا نہ سمجھیں۔

اگر مسجد میں علیؑ کے گھر کا دروازہ کھلا رہا تو انھیں اعتراض ہونے لگا، انھیں

یہ نہیں پتا کہ علیؑ تو وہ ہے کہ خانۂ خدا میں عام دروازے سے نہیں جائے گا، خاص دروازہ بنایا جائے گا۔(نعرۂ حیدری)

اِنَّ اَوَّلَ بَیْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِیْ بِبَکَّۃَ

"یہ پہلا گھر ہے لیکن جب تک کہ روح کعبہ نہیں آئے گی یہ قبلہ نہ بنے گا"۔

وَ مُبٰرَکًا

امامت کا پہلا قدم جس جگہ پہنچے گا وہ وہ جگہ ہے جہاں نوحؑ اپنی عمر کے آخری مرحلے پہ پہنچے۔

وَھُدًی لِلْعٰلَمِیْنَ

تو یہ ہے میری اصل مجلس۔قرآن نے کعبہ کی تیسری خاصیت یہ بتائی کہ یہ ساری کائنات کی ہدایت کرتا ہے۔ہمیں تو نظر نہیں آیا کہ کعبہ نے کسی کی ہدایت کی ہو۔اس میں تین سو ساٹھ بت لاکر رکھ دیے جائیں۔

دیکھیے ــــــ!

ہادی ہے، لیکن کیسا ہادی ہے کہ خاموش بیٹھا ہے۔روایات میں ظہور امامؑ کی ایک یقینی نشانی بتائی گئی ہے۔خانۂ خدا کی دیوار سے گانے بجانے کی آواز بلند ہوگی اور یہ حدیث ہماری سمجھ میں کبھی نہیں آرہی تھی۔

جب میں نے پہلی مرتبہ حج کیا مکہ کی سرزمین میں پورے شہر میں گانوں کی کیسٹ کی خرید و فروخت ممنوع تھی۔پھر میرے دیکھتے ہی دیکھتے قانون بدلہ کہ خانۂ خدا کی حدود میں گانے کی کیسٹوں کی دکان نہیں کھل سکتی، البتہ باہر کھل سکتی ہے۔ہم نے اس زمانے میں مجلس پڑھی، اور اپنا اندازہ لگایا کہ دیکھیے کہ یہ حدیث پوری ہوگئی۔اس کے پھر دس سال گزرے، بالکل مسجد حرام کے سامنے گانے کی دکانیں

کھلیں اور عجیب بات یہ ہے کہ اس قسم کی روایات سن کر ایسا لگتا ہے کہ یہ روایات ظالموں کے بارے میں ہیں، وہ لائیں گے خانۂ خدا میں گانا۔ ہمارے ذہن میں بھی نہ تھا کہ آلِ محمدؐ کا ماننے والا وہ مومن یہ والی حدیث پوری کرے گا۔

وہ کیسے؟ وہ ایسے کہ پوچھئے! حاجیوں سے کہ حجرِ اسود کے قریب جا رہے تھے بوسہ دینے کے لیے، ایک دم کان میں کسی ہندوستانی گانے کی آواز آئی، ادھر جا رہے ہیں خانۂ خدا کا دروازہ پکڑ کر گناہوں کی توبہ کرنے، ایک مرتبہ پھر کسی انڈین گانے کی آواز آئی۔ ایک مرتبہ جا رہے ہیں اس جگہ جہاں دیوار شق ہوئی ہے، ایک دم کان میں گانے کی آواز آئی۔

اور یہ کسی ظالم حکمران کے کارندے کے پاس سے نہیں بلکہ یہ اس بے معرفت مومن کے پاس سے جو موبائل کے اندر ہندوستانی گانے کی ringtone کو download کر کے بیٹھا ہے۔ خانۂ خدا کی دیواروں سے گانوں کی آواز بلند ہوگی آخری زمانے میں، لیکن اللہ یہ گناہ مومن کرے گا، یہ تو ہم سوچ بھی نہیں سکتے تھے۔

تو قرآن نے کہا کہ کائنات کی ہدایت یہ کعبہ کرے گا، ہم نے تو دیکھا کہ کعبہ اتنا خاموش بیٹھا ہے کہ اس وقت تین سو ساٹھ بت آئے تو کچھ نہ بولا، آج گانوں کی ٹون چل رہی ہے تو پھر بھی کعبہ کچھ نہ بولا۔ اس وقت بھی خاموش، اس وقت بھی خاموش۔ یہ ہادی کیسے بنا؟ کہاں سے ہدایت دے رہا ہے کعبہ؟

ہاں! اس کے لیے ہر زبان کا قاعدہ سمجھنا پڑتا ہے، خاص طور پر عربی میں بولا ظرف جاتا ہے اور مراد مظروف ہوتی ہے۔

قرآن نے کہا: هُدًى لِلْعَالَمِينَ۔

"کائنات کی ہدایت کعبہ کر رہا ہے"۔

لفظ آیا ہے، مراد مظروف ہے، یعنی لفظ کعبہ آیا ہے۔ مطلب یہ کہ یہ جو کعبہ میں پیدا ہو رہا ہے، یہ ساری کائنات کا ہادی بن رہا ہے۔ (نعرۂ حیدری)

یہی وجہ ہے کہ جیسے ہی فاطمہؑ بنت اسد علیؑ کو خانۂ خدا سے لے کر باہر آئیں اور علیؑ آغوشِ رسولؐ میں گئے اسی لمحے سے ہدایت کا آغاز ہو گیا۔ ادھر رسولؐ کی گود میں گئے اور رسولؐ نے کہا کہ یا علیؑ! مجھے کچھ سناؤ۔ رسول کا یہ سوال بھی عجیب ہے کہ تین دن کا بچہ ہے اور کہہ رہے ہیں کہ مجھے کچھ سناؤ۔ اور اس سے زیادہ علیؑ کا جواب ہے کہ یا رسولؐ اللہ! آپ کیا سنیں گے؟

توراتِ موسیٰؑ سننا ہے؟ زبورِ داؤدؑ سننا ہے؟ انجیلِ عیسیٰؑ سننا ہے؟ یا قرآنِ محمدؐ سننا ہے؟ تورات تو نازل ہو چکی ہے، زبور تو نازل ہو چکی ہے، انجیل تو نازل ہو چکی ہے، قرآن تو ابھی دنیا میں آیا ہی نہیں ہے۔ یہ اعلانِ رسالت سے دس سال پہلے کا واقعہ ہے۔ ابھی تو پہلی آیت بھی نہیں آئی اور علیؑ کہہ رہے ہیں کہ کیا قرآن سناؤں؟ اور پیغمبرؐ نے کہا: ہاں! قرآن سناؤ۔ اس لیے کہ یہاں نہ آیا ہو، لیکن لوحِ محفوظ پر تو آچکا ہے۔

اے علیؑ! تم تو وہ کہ جس کی ولادت لوحِ محفوظ سے بھی پہلے آسمان پر ہو چکی ہے۔ علیؑ نے قرآن سنایا لیکن هُدًى لِّلْعَالَمِينَ ساری کائنات کا ہادی۔

آج پہلی مرتبہ کعبہ سے نکل رہا ہے، تین دن کا بچہ لیکن دیکھیے ——— ! کس انداز سے قرآن پڑھ رہا ہے، اُدھر سے آیا ہے نا، اُدھر سے آنے والے کی شان بڑی زبردست ہوتی ہے۔ ایک چھوٹی سی مثال دے دوں کہ اُدھر سے آنے والا کیسا ہوتا ہے؟

اللہ نے اپنے گھر کو بچانے کے لیے ابرہا کے لشکر کے مقابلے میں کیسے ابابیل کو بھیجا۔

اچھا ___!

یہ بھی بڑے تماشے کی بات ہے کہ دو دشمنوں میں سے ہر ایک کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ ہر ایک اپنی طاقت کو بڑھ کر دکھائے۔ ابراہا خدا کے مقابلے آیا اور عرب کا سب سے بڑا ہتھیار ہاتھی لے کر آیا تھا تو تیرے پاس تو طاقت ہے، اس سے بڑا ہاتھی بنا کے بھیج دے، تو نے تو بھیجا ننھی ننھی ابابیل کو۔

عرب کے لوگوں نے اس سے پہلے ہاتھی دیکھا ہی نہیں تھا، ان کی زیادہ سے زیادہ رسائی اُونٹ تک تھی اور ہاتھی لے کر آیا کہ اللہ کا گھر تباہ کرتا ہے لیکن اللہ نے چھوٹا سا پرندہ بھیجا ابابیل۔

تو معلوم ہے کہ خدا کا ایک جواب آئے گا جو نمرود کی ناک میں مچھر گھسنے سے لے کر ظہورِ امام تک چلے گا اصول، اور وہ اصول یہ ہے کہ اللہ کہے گا:

سنو! اگر میں اس کے ہاتھی سے بڑا ہاتھی بھیجوں گا اور پھر یہ مارا جائے تو عزت کی موت پائے گا۔ لیکن اللہ کہتا ہے کہ جو میرے مقابلے میں آتا ہے تو میں اسے صرف موت نہیں دیتا بلکہ ذلت کی موت دیتا ہوں۔ ہاتھی کے مقابلے میں ابابیل لیکن ہمارا سوال یہ ہے کہ اے خدا! ابابیل ایک جانور ہے، بے عقل، اور ان کے پنجوں میں تو نے دنیا کا سب سے خطرناک ہتھیار دیا، مسور کی دال کے برابر کنکر۔

اگر وہ ذرا سی غلطی کر جائے تو ابراہا کا لشکر تو تباہ نہیں ہوگا بلکہ خانۂ خدا ختم ہو جائے گا۔

خدا کہے گا کہ نہیں! میں نے ابابیل کو ایسے یہ ہتھیار نہیں دیا، پہلے اسے ایک عہدہ دیا:

وَّاَرْسَلَ عَلَيْهِمْ طَيْرًا اَبَابِيْلَ (سورۂ فیل، آیہ ۳)

''ہم نے بھیجا ہے اور جو ہمارا بھیجا ہو وہ کبھی خطا نہیں کرتا ہے''۔

جسے ہم بھیجتے ہیں وہ معصوم ہوتا ہے لیکن یہ علیؑ آغوشِ رسالت میں آئے اور پیغمبرؐ کا یہ کہنا کہ تم مجھے قرآن سناؤ، اور ایک بار علیؑ نے قرآن کی تلاوت کی۔

ساڑھے چھ ہزار کے قریب آیات ہیں۔ ایک سو چودہ سورہ ہیں۔ علیؑ نے اس قرآن میں کیا سنایا؟ علیؑ نے سورۂ مومنون کی آیت پڑھی:

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ

"بے شک مومنین نے فلاح پائی"۔ (سورۂ مومنون، آیہ ۱)

آج مومن کامیاب ہوا کیونکہ آپ جیسا امیرالمومنینؑ جو مل گیا۔ اس کی کامیابی میں کیا شک ہے کہ جسے علیؑ جیسا امیرالمومنینؑ ملے۔ مگر یزید جیسی غلطی نہ کیجیے گا۔ یزید نے قرآن کی ایک آیت پڑھی تھی اور ترجمہ میں سے ایک لفظ کھا گیا تھا۔ آیت کا مطلب ہی بدل گیا۔

فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ ○ الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ

"بربادی ہے ان نمازیوں کے لیے"۔ (سورۂ ماعون، آیہ ۵)

یزید "ان" کو اڑا گیا۔ کیونکہ جب آپ لوگ لفظ "ان" سنیں گے تو کہیں گے کہ کون؟

یزید نے کہا کہ نمازیوں کے لیے تباہی ہے۔ آج بھی کتنے مومنین نماز کا مذاق اڑاتے ہیں، آج بھی کتنے مومنین نمازیوں کا مذاق اڑاتے ہیں۔

وہ یزید تھا کہ جو کہہ رہا تھا کہ نماز سے زیادہ تو شراب اچھی چیز ہے۔ شراب کے لیے قرآن نے لفظ وَیلٌ نہیں کہا، نماز کے لیے لفظ وَیلٌ کہا۔

مگر قرآن نے ہر نمازی کے لیے نہیں کہا بلکہ ان نمازیوں کے لیے، تو کون ہیں؟ تو آئیں گے میرے اصل موضوع میں، تو یزید ایک لفظ کو کھا گیا، آیت کا مطلب بدل گیا۔ ایسا لگا کہ قرآن ہر نمازی کی برائی کر رہا ہے۔ قرآن ہر نمازی کی

برائی نہیں کر رہا، صرف ان نمازیوں کی برائی کر رہا ہے جو کربلا کے میدان میں کہہ رہے تھے کہ حسینؑ کو جلدی ذبح کرو عصر کا وقتِ فضیلت نکلا جا رہا ہے۔

تو مولاؑ نے آیت کی تلاوت کی، میں نے ترجمہ کیا لیکن میں نے بھی غلط ترجمہ کیا:

قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ

"مومنوں نے نجات پائی"، نہیں بلکہ "اُن مومنوں نے نجات پائی"۔

ہر مومن نہیں، اور آگے قرآن نے بتا دیا کہ کون مومن؟

اَلَّذِیْنَ هُمْ فِیْ صَلَاتِهِمْ خَاشِعُوْنَ (سورۂ مومنون، آیہ ۲)

"نجات پائی ان مومنین نے جو اپنی نمازوں میں خضوع و خشوع سے کام لیتے ہیں"۔

وَالَّذِیْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ (سورۂ مومنون، آیہ ۳)

"اور یہ وہ لوگ ہیں جو ہر لغو بات سے اپنے کو بچاتے ہیں"۔

"لغو" کسے کہتے ہیں؟ ہمارے آٹھویں امام حضرت علی رضا علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں کہ اس آیت میں جو لفظ "لغو" آیا ہے، اس سے مراد غناء اور غیبت۔

علیؑ ولادت کے بعد دنیا میں آتے ہی پہلا اعلان کر رہے ہیں، نمازوں میں توجہ سے کام لو، غناء یعنی گانے اور غیبت سے اپنے منہ کو پھیر کے چلو۔

وَالَّذِیْنَ هُمْ لِلزَّکٰوةِ فَاعِلُوْنَ (سورۂ مومنون، آیہ ۴)

"اور وہ اپنی زکوٰۃ کو باقاعدگی سے ادا کرتے ہیں"۔

وَالَّذِیْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حَافِظُوْنَ (سورۂ مومنون، آیہ ۵)

"اور وہ اپنے آپ کو حرام کام سے بچاتے ہیں"۔

وَالَّذِيْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رٰعُوْنَ

"اور وہ اپنی امانتیں اور اپنے عہد کی رعایت اور خیال کرتے ہیں"۔(سورۂ مومنون، آیہ ۸)

عام مومن آپ کے پاس امانت رکھوائے تو اس کی ادائیگی کا کتنا ثواب ہے اور اگر فاطمہ زہراؑ اپنا حق خمس آپ کے پاس بطور امانت رکھوائیں یہ خمس جو آپ کے پاس ہے، یہ آپ کا مال نہیں ہے یہ حق زہراؑ ہے جو بطور امانت آپ کو دیا گیا ہے کہ ایک سال کے بعد اولادِ زہراؑ کو حق سادات پہنچانا اور صحیح مقام پر حق امامؑ پہنچانا۔

وَالَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَوٰتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ (سورۂ مومنون، آیہ ۹)

"اور وہ اپنی نمازوں کی حفاظت کرتے ہیں"۔

علیؑ والوں کو علیؑ کی پہلی تلاوت سنا رہا ہوں، یہ ہے هُدًى لِّلْعٰلَمِيْنَ۔کعبہ ساری کائنات کی ہدایت بشکل علیؑ کر رہا ہے۔اس کے بعد خوشخبری آئی:

اُولٰٓئِكَ هُمُ الْوٰرِثُوْنَ (سورۂ مومنون، آیہ ۱۰)

جن میں یہ خاصیتیں ہیں وہ وارث اور مالک ہے، کس چیز کے؟

الَّذِيْنَ يَرِثُوْنَ الْفِرْدَوْسَ (سورۂ مومنون، آیہ ۱۱)

"انھیں جنت فردوس ملے گی"۔

هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ (سورۂ مومنون، آیہ ۱۱)

"یہ ہمیشہ رہیں گے"۔

علیؑ نے بات شروع کی: قَدْ اَفْلَحَ سے، بات ختم کی کہ انھیں جنت فردوس کا مالک بنایا جائے گا اور یہ ہمیشہ اس میں رہیں گے۔

مگر دیکھئے ـــــ!

ولادت کے بعد تین دن خانہ کعبہ میں رہے، لیکن کعبہ سے باہر آتے ہی تین منٹ کے اندر علیؑ نے بتا دیا کہ ہمارا کامیاب مومن کون ہے؟ لیکن بہت سی سیاسی پارٹیوں کو ہم نے دیکھا کہ اقتدار میں آنے سے پہلے ان کا منشور کچھ اور ہوگا، کرسی پر بیٹھنے کے بعد ان کے ارادے کچھ اور ہو جاتے ہیں۔

علیؑ نے ولادت کے دن یہ اعلان کیا، شہادت کے موقع پر بھی ایک اعلان کیا، دیکھا یہ ہے کہ ولادت اور دنیاوی اقتدار کے بعد۔

دیکھئے ـــــ!

علیؑ اس کائنات کا حاکم ہمیشہ سے ہے، حکمِ خدا سے علیؑ اس کائنات پر اولی بالتصرف ہے۔ سورج کو اشارہ کرے تو ڈوبتا سورج واپس آ جائے، مُردے کو اشارہ کرے تو نکلتی ہوئی روح دوبارہ اندر چلی جائے۔ کائنات پہ علیؑ کا حکم چلتا ہے۔ لیکن دنیاوی اعتبار سے، جب علیؑ کو چوتھی خلافت ملی اور اب دنیاوی بادشاہ بھی بنے اور اس وقت سلمان فارسیؓ نے ایک بڑا اہم سوال کیا:

مولاؑ! جب سے آپ کے ہاتھ میں کوفہ کی ظاہری حکومت آئی ہے، تو ہم نے ایک عجیب بات دیکھی ہے، جو بھی آدمی ہمیں ملتا ہے کہتا ہے کہ ہم تو علیؑ والے ہیں۔ مولاؑ! ان میں سچے کون ہیں اور جھوٹے کون ہیں؟

کہا: اے سلمانؓ! جو اپنے آپ کو شیعہ کہے اس کے بعد اس کو دیکھنا دو نشانیوں کی مدد سے۔ پہلے یہ دیکھنا کہ وہ نماز کا کتنا پابند ہے اور پھر یہ دیکھنا کہ مومن بھائیوں کی کتنی مدد کر رہا ہے۔ اگر یہ دو باتیں پائی جائیں تو تم سب اس کی تصدیق کرنا، اور اگر یہ دو باتیں نہ پائی جائیں تو اس کو جھوٹا قرار دینا۔

جو پہلے دن کہا، وہی آخری دن بھی کہہ رہے ہیں۔ کوئی تبدیلی نہیں آئی

ہے۔ اس لیے کہ یہ معصومؑ کا کلام ہے۔

اور تاریخ طبری کی ایک بہت اہم روایت ہے جب ابنِ زیاد کوفہ کے اندر مسلم ابن عقیلؑ کی گرفتاری کا ارادہ لے کر آیا تو جناب مسلمؑ ہانی ابن عروہؓ کے گھر میں جاکر پوشیدہ ہوگئے تھے اوراب کہیں سے مسلمؑ کا پتہ نہیں چل رہا۔ ایک دفعہ ابنِ زیاد نے اپنے ایک غلام کو بلایا جس کا نام تھا معقل۔ کہا: تین دن دیتا ہوں یا مسلمؑ کو پکڑ کے لاؤ یا علیؑ کا کوئی شیعہ پکڑ کے لاؤ۔

تین دن تک یہ معقل ڈھونڈتا رہا کہ کوئی علیؑ والامل جائے یہاں تک کہ تیسرا دن ختم ہوگیا۔ آدھی رات ہوئی تو ایک مسجد میں چلا گیا اور پریشان ہوا۔ صبح ہوئی تو ایک آدمی کو ابنِ زیاد کے پاس لے کر گیا کہ یہ علیؑ کا شیعہ ہے۔ تحقیق کی گئی تو واقعی وہ علیؑ کا شیعہ نکلا۔

ابنِ زیاد نے کہا کہ اے معقل! تو نے کیسے پہچانا کہ یہ علیؑ کا شیعہ ہے؟ کہا کہ ساری رات میں نے دیکھا کہ جیسی نمازیں یہ پڑھ رہا ہے ویسی نماز کسی نے نہ پڑھی، ایسی نماز تو علیؑ کا شیعہ ہی پڑھ سکتا ہے؟

تو شیعہ کی پہچان اس کی نماز ہوتی تھی۔

ایک اور پہچان دیکھیے!

اور یہ جملہ ہے عمر ابن عبدالعزیز کا، کہ اگر دنیا اپنے سارے ظالموں کو لے کر آجائے اور ہم خاندانِ بنواُمیہ صرف دو کو لے کر آئیں اور ایک ترازو کے ایک پلڑے میں دنیا بھر کے ظالم رکھے جائیں اور ہم اپنے دو کو دوسرے پلڑے میں رکھ دیں، یہ دو اتنے بڑے ظالم ہیں کہ پلڑا جھک جائے گا: ایک ابن زیاد اور ایک حجاج ابن یوسف۔

حجاج کو مزہ آتا تھا کہ شیعیانِ علیؑ کا قتل کرکے، ایک زمانہ ایسا ہے کہ چوتھے

امامؑ نے کہا کہ تقیہ میں چلے جاؤ۔ حجاز نے کہا کوئی شیعہ پکڑ کر لے آؤ۔ سپاہیوں نے کہا کہ کوئی شیعہ ہمیں نظر ہی نہیں آتا تو ہم کیسے پکڑیں؟

کہتا ہے ایک کام کرو۔ سڑکوں پر گڑھے بنوا دو اور ان کے اندر کسی کو گرا دو اور وہ ہر ایک سے کہے کہ بھائی! میری مدد کرو۔ تو جو مدد کے لیے جھکے تو اس کو پکڑ کے لے آنا، وہ یقیناً علیؑ کا شیعہ ہوگا۔ کیونکہ علیؑ کا ہر شیعہ ہر چیز برداشت کر لیتا ہے لیکن کسی مصیبت زدہ کو برداشت نہیں کرسکتا۔

اور تاریخ نے بتایا کہ اس طرح سے شیعہ پکڑے گئے۔ تو علیؑ کے اتنے بڑے بڑے دشمن شیعہ کی پہچان یہ رکھتے تھے کہ وہ نمازی ہوگا اور پریشان حال کی مدد کرے گا۔

دیکھیے ـــــ!

ذکرِ مصائب

دنیا بھر کے حکمران وہ ہوتے ہیں جو ہر چیز کے لیے قوم سے اپیل کرتے ہیں، لیکن خود کوئی قربانی دینے کے لیے تیار نہیں ہوتے۔

یہ اہلِ بیتؑ ہیں، نماز اور مومنین کی مدد، یہ دو اہم ترین صفات ہیں اور یہ وہ امامؑ کہہ رہا ہے جس نے پہلے اپنے اکبرؑ کو قربان کیا۔ حسینؑ نے ایسے آپ سے قربانی نہیں مانگی، پہلے اپنا اکبرؑ قربان کیا۔

میدانِ کربلا میں اکبرؑ کی شہادت کے موقع پر میرے مولاؑ کا طریقہ ہمارے سامنے آیا۔ وہ کسی اور شہید کے موقع پر نہیں آیا۔ اللہ اللہ ـــــ غیر مسلم عورتیں اکبرؑ کا سا کٹا سر دیکھتی ہیں تو پکار اٹھتی ہیں کہ اللہ کرے کہ ان جوان کی ماں مرچکی ہو۔

اور یہی وجہ ہے کہ جب کربلا کے میدان میں مولا حسینؑ نے کہا: اکبرؑ! سب سے پہلے تمہیں مقتل میں جانا ہے۔

بنی ہاشم میں سے سب سے پہلا جوان اکبرؑ تھا، مولا اکبرؑ کی زیارت کا ایک جملہ ہے:

اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا اَوَّلَ قَتِیْلٍ

''اے پہلے شہید! تم پر ہمارا سلام ہو''۔

حسینؑ نے کہا: اکبرؑ! پہلے تجھے جانا ہے۔

اکبرؑ نے کہا: بابا! میں تو صبح سے انتظار کر رہا تھا۔ جب ہم حق پر ہیں تو پرواہ نہیں ہے۔ موت ہم پر آن پڑے یا ہم موت پر جا ئیں۔

گھوڑے پہ بیٹھنا چاہتے ہیں مگر حسینؑ نے روک دیا۔ اکبرؑ! کہاں چلے؟

بابا! آپ ہی نے تو کہا ہے کہ مقتل جاؤ۔

کہا: اس طرح نہیں پہلے گھر والوں کو خدا حافظ کر کے آؤ۔ اکبرؑ جناب لیلیٰ کے خیمے میں گئے، وہاں ایک عجیب منظر نظر آیا۔ کیا دیکھا کہ مصلّٰی بچھا کر لیلیٰ نماز کے عالم میں بیٹھی ہے۔ ایسا لگ رہا ہے کہ نماز کی تیاری ہے۔

اکبرؑ نے کہا: اماں! یہ کون سی نماز کی تیاری ہے؟

لیلیٰ کہتی ہے: بیٹا! تجھے پتہ ہے نا کہ اس ظالم سے میرا رشتہ ہے۔ مجھے ڈر ہے کہ میدان میں میرا اکبرؑ پیچھے نہ ہٹ جائے۔ میں نے دو رکعت اللہ سے منت کی نماز مانی ہے۔ میرے اکبرؑ بیٹے کا لاشہ آئے تو میں شکرانے کی نماز پڑھوں۔

اکبرؑ نے کہا: اماں! آپ نے تو میرا مسئلہ آسان کر دیا۔ جایئے تیاری کیجیے میں جا رہا ہوں مقتل میں۔

لیکن لیلیٰ سے بڑا امتحان تو زینبؑ کو خدا حافظ کہنے کا ہے۔ اکبرؑ لیلیٰ کے

بیٹے ہیں مگر پالا تو زینبؑ نے ہے۔

عراق کے بہت بڑے خطیب عبدالرزاق المقرم کی کتاب سے پڑھ رہا ہوں روایت۔ سیدھے گئے زینبؑ کے خیمے میں، زینبؑ زمین پہ بیٹھی ہیں اور اکبرؑ پھوپھی کی گود میں سر رکھ کے سو گیا اور زینبؑ نے بالوں میں کنگھی شروع کر دی۔

اکبرؑ اس وقت کیسے آئے؟ کہا: پھوپھی ایک مسئلہ پوچھنے آیا ہوں۔ وہ یہ کہ آپ کا رتبہ زیادہ ہے یا میری دادی فاطمہ زہراؑ کا رتبہ زیادہ ہے؟

بی بی نے کہا کہ میں تو ان کی ایک کنیز ہوں۔

کہا: اگر ایسا ہی ہے تو ایک کام کریں۔ آج دادی کے بیٹے پر اپنے بیٹے کو قربان کر دیں۔

زینبؑ نے کہا کہ اکبرؑ! اگر کسی اور طرح مجھے پتہ چلتا کہ تو مقتل جا رہا ہے تو شاید تیری پھوپھی غم سے مر جاتی، مگر جا میں نے تجھے قربان کیا۔

اور اب اکبرؑ نکلے، اکبرؑ ابھی تھوڑی دور گئے تھے کہ ایسا لگا کہ کوئی میرے پیچھے پیچھے آ رہا ہے۔ اکبرؑ نے مڑ کر دیکھا تو میرا بوڑھا بابا، میرے پیچھے پیدل آ رہا ہے۔ اکبرؑ نے گھوڑا روکا، کہا بابا! آپؑ زحمت کیوں کر رہے ہیں؟

حسینؑ نے کہا: اکبرؑ! تیرا کوئی جوان بیٹا نہیں ہے، تجھے کیا معلوم کہ بوڑھے باپ پر کیا گزر رہی ہے۔

اب ایک عجیب منظر ہو گیا، اکبرؑ دوبارہ گھوڑے پہ سوار ہو گئے اور حسینؑ قریب ہی ٹیلے پر بیٹھ گئے بیٹے کا جہاد دیکھنے۔ زینبؑ درِ خیمہ پر کھڑی ہو گئی۔ لیلیٰ مصلّے پہ کھڑی ہو گئی۔ اکبرؑ کی نگاہیں فوج پر ہیں، حسینؑ کی نگاہیں اکبرؑ پر ہیں۔ زینبؑ کی نگاہیں حسینؑ پر ہیں اور لیلیٰ کی نگاہیں زینبؑ پر ہیں۔ شیرِ خدا کے پوتے نے کیا جہاد کیا، ایک وقت آیا اکبرؑ گھوڑے سے گرے، حسینؑ ٹیلے سے گرے، زینبؑ

درِ خیمہ پر گری۔ لیلیٰ شکر کے سجدے میں گری۔

اب حسینؑ ٹیلے سے کھڑے ہوئے، پھر گرے۔ اب حسینؑ کو نظر کچھ نہیں آ رہا۔ کہا: اکبرؑ! مجھ کو پکارو تا کہ آواز سن کر تیرا باپ تیرے قریب آئے۔

اکبرؑ نے اِلَیَّ اِلَیَّ ـــــ بابا ادھر آیئے۔

حسینؑ اکبرؑ کے قریب گئے اور کہا کہ اپنا ہاتھ سینے سے ہٹاؤ، اب جو اکبرؑ نے ہاتھ ہٹایا، کلیجے میں برچھی کا ٹوٹا ہوا پھل ہے اور میرا حسینؑ ہے۔

اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ!

مجلسِ ہشتم
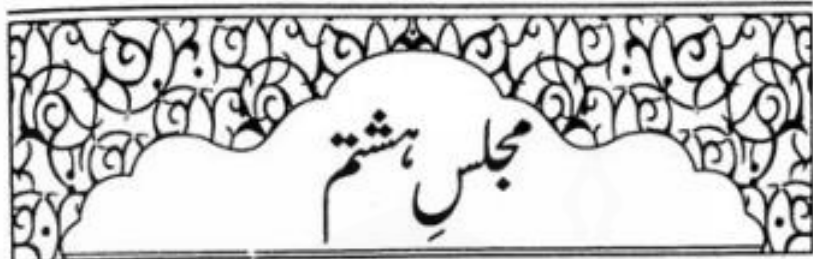
بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

فَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا وَ مَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ ۝ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ ۝

(سورۂ بقرہ، آیہ ۲۰۱-۲۰۰)

پانچ روزہ سلسلۂ مجالس کی آج چوتھی مجلس ہے۔ پہلی مجلس میں پی آئی اے کی غلطی سے میں حاضر نہ ہو سکا لیکن مجلس ہوئی۔

آج یہ چوتھی مجلس دو دن پہلے کی مجلس کا ایک حصّہ ہے، اب اس سے پہلے کہ میں آج کے بیان کو آگے بڑھاؤں، اگرچہ میں نے درخواست کی تھی کہ جتنے زیادہ سے زیادہ آپ کے سوال آسکتے ہوں آجائیں لیکن سوالات کے علاوہ اور بھی کچھ گزارشات خواتین کی جانب سے موصول ہوئی ہیں۔

لیکن یہ ایسی چیزیں ہیں کہ جن میں میرا اتنا دخل نہیں ہے اور چونکہ بانیانِ مجلس بھی آپ ہی خواتین کے درمیان تشریف فرما ہوں گی، تو یہ ساری چیزیں آپ ان کو پہنچا دیجیے گا، کہ کسی نے جگہ کے حوالے سے گزارش کی کہ جہاں دو سال پہلے ہوئی تھی مجلس، وہاں پہنچنا زیادہ آسان تھا۔

خواتین کی مجلس میں پڑھنے والے کے لیے ایک آسانی کہ پانچ سو خواتین

ہوں کہ دو ہوں، اسے کیا معلوم کہ میرے لیے یہ اتنا بڑا مسئلہ نہیں ہے۔ لیکن جن خواتین نے یہ گزارشات کی ہیں میں وضاحت کردوں کہ محترم تقی جاوا صاحب اور ان کے خانوادے نے مجھ سے ان مجالس کا وقت لیا اور خاص لاہور میں آنا ہی انھی کی دعوت پر ہوں۔

اب ان کی دعوت پہ مَیں آیا، باقی مجلس کہاں رکھی جائے اس میں ان کی اپنی مرضی ہوتی ہے۔ قرآن مجید کے سورۂ بقرہ کی آیت کی تلاوت کی گئی۔ پرسوں سورۂ تحریم کی آیت ہمارا عنوان تھی۔ اور اس سورۂ تحریم کی آیت پہ حضرت آسیہ کے حوالے سے قرآن نے ایک پیغام جو دیا تھا۔

اگرچہ وہ خالی ایک مجلس میں بیان نہیں ہو سکتا لیکن ہمارے پاس مجالس چونکہ محدود ہیں، اس اعتبار سے آج حضرت آسیہ کے واقعہ کو اپنی جگہ چھوڑتے ہوئے، جو اس کا خلاصہ تھا اسے سورۂ بقرہ کی آیت سے جوڑ کر ایک اور عنوان پہ گفتگو کرنا ہے۔

آیات حج کے متعلق ہیں، لیکن اس حج کی آیات کے اندر اللہ نے درمیان میں ایک ایسی آیت رکھ دی ہے، جس کا پیغام اتنا عام ہے کہ سارا سال لوگ اپنی نماز کے قنوت میں بھی اس پیغام کو دہراتے رہتے ہیں اور اتنا زیادہ دہراتے ہیں کہ شاید ۹۵ فی صد لوگوں کو پتہ بھی نہ ہو کہ یہ والی آیت حج کی ہے۔ قرآن کا تذکرہ کر رہا ہے اور اس میں یہ کہا کہ حج پر آنے والوں کی دو قسمیں ہیں: ایک وہ ہیں کہ جو حج پر آتے ہیں خالی دنیاوی فائدے کے لیے، یعنی دنیاوی فائدے سے مراد کوئی بُری بات نہیں ہے، وہ اس لیے آ گئے کہ ان کو صحت چاہیے وہ اس لیے آگئے کہ انھیں اولاد چاہیے۔ ہر دعا کر کے ناکام ہو گئے تو کہا اب چلو خانہ کعبہ میں، یہ کل کی مجلس کا عنوان تھا:

اب قرآن کہتا ہے: فَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ

حج کرنے والے، اس سے پہلے کی آیات بھی آپ کو بڑا مزہ دیں گی اگر آپ کبھی بھی حج کر چکی ہیں۔

بس ــــــ!

اس سے پہلے کی آیت:

فَإِذَآ اَفَضْتُمْ مِّنْ عَرَفٰتٍ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ عِنْدَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ (سورۂ بقرہ، آیہ ۱۹۸)

بھئی دیکھو ــــــ!

قرآن کا ترجمہ: "جب شام کا وقت ہوجائے تو عرفات سے چلو اور مشعرالحرام یعنی مزدلفہ میں پہنچو، وہاں پر جا کر ذکرِ خدا کرو"۔

اور پھر قرآن اس منزل پر آ کر رُکا، عرفات کا مزہ، مزدلفہ کا مزہ، مشعرالحرام میں رات کی تاریکی میں دعا کرنے کا لطف۔

اور جب ہم اسے امامؑ کی حدیث سے ملائیں کہ اللہ نے ایک رات ہی تو ایسی بنائی ہے کہ شبِ قدر سے بھی زیادہ افضل ہے۔ قرآن نے شبِ قدر کے بارے میں کہا:

خَيْرٌ مِّنْ اَلْفِ شَهْرٍ (سورۂ قدر)

لیکن امامؑ فرماتے ہیں کہ ایک اور ایسی ہے جو اس سے بھی زیادہ افضل ہے اور وہ ہے مزدلفہ یا مشعرالحرام کی رات۔

اور عجیب بات یہ کہ باقی حج کے واجبات میں ایک خیمہ تو مل جاتا ہے، مزدلفہ میں تو فٹ پاتھ پہ بیٹھنا پڑتا ہے اور لطف اتنا ہوتا ہے کہ انسان زندگی بھر یاد رکھتا ہے۔

اور ساتھ میں امام کا یہ فرمانا کہ خالی لطف نہیں ہے جو اس رات کی برکتیں اور فضیلتیں خاص طور پر وہ جملہ کہ جب اللہ نے اس رات کو شبِ قدر سے زیادہ افضل بنایا، تو جو دعائیں شبِ قدر میں قبول نہیں ہوتیں، وہ اس رات کو اللہ قبول کرلیتا ہے۔

تو خیر ـــــ!

یہ اتنا بیان میں نے صرف اس لیے کیا کہ یہ بتانا تھا کہ وہ قبولیتِ دعا کا اہم وقت ہے جو دعا کہیں بھی قبول نہیں ہوتی ہے وہ مزدلفہ میں قبول ہوتی ہے۔ اب اسلام کہتا ہے کہ جب قبولیتِ دعا کا مرحلہ آیا اور ایک جملہ میں پھر دہرادوں کہ شاید آپ میں سے بہت سے ایسے ہیں جو حج پر جائیں۔

حج پر جایئے گا تو ایک بات یاد رکھیے گا کہ پہلے زمانے میں لوگوں کا مزاج یہ تھا کہ حج پر جاتے تھے تو ڈھونڈ ڈھونڈ کر علماء سے سوال کرکر کے وہ جگہوں کی ایک فہرست بناتے تھے کہ جہاں دعائیں قبول ہوتی تھیں۔ آج اتنا زیادہ لوگ کے حوالے سے فکرمند نہیں ہیں۔ لیکن میں اس لیے کہہ رہا ہوں کہ سب سے زیادہ قبولیتِ دعا کی جگہ جو ہے اس کو سب سے زیادہ بھولے ہوئے ہیں لوگ۔

اتنا یاد ہے کہ خانہ کعبہ پر نگاہ پڑی تو دعا قبول، خانہ کعبہ کے دروازے کو پکڑ کر دعا کرو تو قبول، اتنا بھی پتہ ہے کہ وہ جو گول دیوار ہے جہاں جنابِ ہاجرہؑ اور ان کے بیٹے اسماعیلؑ کی قبر ہے وہاں بھی دعا قبول، خاص طور پر کسی کو اگر اولاد کا مسئلہ ہے وہ ایک ماں اور ماں کے اس بیٹے کی یادگار ہے۔ جس ماں نے اپنے بیٹے کے لیے وہ پانی ڈھونڈا جو قیامت تک کے لیے زم زم بن گیا۔ پھر اسی ماں کو اسی بیٹے کو خانہ خدا کے صحن میں وہ چھوٹی سی ایک دیوار جو ہے، گول دیوار، وہاں پہ ان کی قبریں ہیں۔ اسی لیے اگر کسی کے ہاں اگر اولاد نہیں ہوتی، وہ وہاں جا کر دعا

مانگیں۔ ساری دنیا میں شاید جلدی دعا قبول ہونے کی جگہ وہی ہے، لیکن لوگوں کو معلوم نہیں۔ لیکن اہم ترین جگہ جہاں دعا قبول ہوتی ہے وہ مزدلفہ اور وہ اس لیے اہم ترین ہے کہ ماہِ مبارک رمضان میں ایک روایت آپ سنتے ہیں کہ امام علیہ السلام فرماتے ہیں:

"رمضان کی آخری تاریخ کو دعا ضرور کرنا، جیسے مزدور کو کام مکمل کرنے کے بعد مزدوری ملتی ہے، ملازمت کرنے والے کو مہینے بعد تنخواہ ملتی ہے اور رمضان کے پورے مہینے آپ نے روزے رکھے ہیں، اب یہ رمضان کی آخری رات اجر ملنے کی رات ہے۔ بالکل وہی پوزیشن حج میں مزدلفہ کی ہے۔ مزدلفہ پہ آپ کا حج پورا ہو جاتا ہے، اس کے بعد جتنے واجبات ہیں، وہ واجبات اگر چھوٹ جائیں آپ کا حج غلط نہیں ہے۔

تو بہرحال ــــــ!

تو وہ رات ہے کہ اللہ میں تیرے گھر کی زیارت کے لیے حج کی نیت سے آیا اور میں نے اپنا حج کر لیا ہے۔ لا دے میری مزدوری اور وہ مزدوری یہی ہے کہ مانگو۔

اب قرآن بتا رہا ہے، یہ سارا میں نے اس لیے بتایا کہ ایک تو یہ ہے کہا اگر کوئی قرآن میں جا کر دیکھے تو یہ والی دعا حج کی آیات کے آخر میں نہیں آئی ہے، بیچ میں آئی ہے لیکن بیچ میں وہاں پر آئی ہے جہاں مزدلفہ کا بیان ہے اور مزدلفہ کی اہمیت یہ ہے کہ وہاں پر آپ کا حج مکمل ہو گیا۔

میں یہ نہیں کہہ رہا کہ حج کے باقی واجبات چھوڑیں لیکن اگر وہ چھوٹ جائیں تو حج آپ کا بچایا جا سکتا ہے۔

اور اب قرآن نے بتایا: فَمِنَ النَّاسِ

لوگ پہنچ گئے مزدلفہ میں، حج کے اہم ترین واجب کو کرلیا، اب ان کی مزدوری یا انعام ملنے والا ہے۔ اب قرآن کہہ رہا ہے: دیکھو!

فَمِنَ النَّاسِ

''انسانوں میں کچھ ایسے ہیں''۔

مَنْ يَّقُوْلُ

جو مزدلفہ میں کھڑے ہو کر کہیں گے:

رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً

بس ——!

یہ ہے آیت: ''اے خدا! ہمیں دنیا میں اچھی چیزیں دے دے''۔

جیسے میں نے کہا کہ کوئی اولاد کے لیے گیا، کوئی صحت کے لیے گیا، کوئی روزی کے لیے گیا۔

بہر حال ——!

خالی دنیاوی مسئلے لے کر گیا لیکن وقت ایسا کہ اللہ کا وعدہ ہے کہ تم مانگو تو میں دوں گا، لیکن:

وَمَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ

''اب انھیں آخرت میں کچھ نہیں ملے گا''۔

کیونکہ انھوں نے مانگا ہی دنیا تھی، جو مانگا دے گا:

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ

قرآن کہتا ہے کہ لیکن نہیں ''کچھ ایسے بھی انسان ہیں جو مزدلفہ میں پہنچ کر اس طرح سے دعا مانگتے ہیں:

رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً

جب دینے والے کے خزانۂ قدرت میں کمی نہیں کہ خالی دس دعائیں مانگنا، بلکہ سب کچھ دینے کو تیار ہے۔

قرآن کہتا ہے کہ ایک دوسرا گروہ ہے انسانوں کا وہ بھی وہیں پر ہے، مزدلفہ میں ہے، لیکن وہ کہتا ہے: "اے پروردگار! دنیا کی چیزیں بھی ہمیں دے اور آخرت کی چیزیں بھی ہمیں دے دے"۔

وَّ قِنَا عَذَابَ النَّارِ

یہ ہے صحیح آدمی، اور اللہ اس کو دنیا میں بھی دے گا اور آخرت میں بھی دے گا۔ اب یہ والی آیت ہمارے ہاں اتنی مشہور ہے کہ ۹۹ فی صد اسے اپنی نمازوں میں پڑھتے ہیں لیکن انھیں تو پتہ ہی نہیں ہوتا کہ اصل میں تو یہ آیت حج کی ہے مگر اس آیت میں ایک ایسا پیغام بھی قرآن نے دے دیا جو سب سے زیادہ محبانِ اہلِ بیتؑ کو یاد کرنے کا پیغام ہے۔ بہت ہی مختصر طریقے سے قرآن نے ساری بحث کا دروازہ ہی بند کر دیا اور وہ پیغام یہ ہے کہ ہر شیعۂ علیؑ، ہر عزادارِ حسینؑ کو جنت ملے گی، اس میں کوئی شک نہیں ہے۔

لیکن جنت ملنے کے دو طریقے ہیں: وہ اس آیت میں آ رہے ہیں: ایک طریقہ یہ ہے کہ مرے اور جنت میں گئے۔ ایک طریقہ ہے کہ پہلے عذاب برداشت کیا پھر جنت میں آئے۔ تو جنت میں تو دونوں آ گئے۔ اب اگر امامؑ، رسولؐ اور اللہ یہ وعدہ کریں کہ ہر شیعہ کے لیے جنت ہے، تو صحیح وعدہ ہے لیکن یہ وضاحت لینا پڑے گی کہ ہم کون سے شیعوں میں ہیں؟ جو ڈائرکٹ جنت میں جانے والے ہیں یا جو جہنم سے ہو کر جنت میں جانے والے ہیں۔

اور جیسا کہ میں نے کہا کہ اگر کوئی عالم اپنا نظریہ پیش کرے تو آپ کو بحث کا حق ہے کہ ہم مانتے ہی نہیں ہیں کہ کوئی جہنم سے ہو کر جنت میں آئے گا، جنت تو

جنت ہے۔

آیت میں پیغام آیا اور اتنی مشہور آیت میں آیا۔ اگر میں کہہ دوں کہ قرآن مجید کا پیغام سورۂ زخرف کی آیت ۱۹ میں کسی کو پتہ ہے کہ سورۂ زخرف قرآن میں ہے بھی کہ نہیں، اور اگر ہے تو کہاں پر ہے؟ لیکن اس آیت کے بغیر دو کوئی نہیں کہہ سکتا کہ ہمیں تو پتہ ہی نہیں کہ یہ بھی کوئی پیغام ہے۔

اور اب دیکھیے ــــــ!

پیغام کیا ہے؟ اس پیغام کو بیان کرنے سے پہلے قرآن کا ایک اصول یاد رکھیے۔ قرآن میں ایک لفظ بھی زائد نہیں ہے، یعنی اگر کہیں دو لفظوں سے کام چل جاتا ہے تو قرآن تین لفظوں کی بات نہیں کرتا۔ یہی قرآن کا معجزہ ہے۔

اب اگر ہر مومن آخرت کے لیے جنت مانگے، جنت میں چلا جائے گا تو آیت ایسے ہونی چاہیے تھی:

رَبَّنَآ اٰتِنَا فِی الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِی الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً

آگے فل سٹاپ۔

نہیں، دو نہیں بلکہ ہمیں تین دعائیں سکھائی گئیں، تیسری دعا آنا یہ بتا رہا ہے کہ دو دعاؤں سے آدمی جنت میں نہیں جا سکتا، تیسری دعا بھی ضروری:

وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ

"اے اللہ! ہمیں جہنم کے عذاب سے بھی بچا"۔

جنت جانے کی دو سڑکیں ہیں: ایک ہے جنت موٹروے اور اس پر اگر جاتا ہے تو کہنا پڑے گا: وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ

اور یہ جو قرآن نے ہمیں دعا سکھائی یہ اس لیے سکھائی کہ ایک مومن کے دل میں جو ایک غلط فہمی آتی ہے کہ جب معصومؑ نے کہا کہ ہمارے ہر شیعہ پر جنت

واجب ہے تو وہ خود یہ سمجھ لیتا ہے کہ جنت کا مطلب ہے کہ عذاب جہنم سے بچ گئے۔

یہ کہاں کہا ہے امامؑ نے؟

اگر جنت جانے کا ایک ہی راستہ ہوتا تو آدمی جائے گا ہی جنت میں۔ لیکن جنت کی دو سڑکیں ہیں۔ کیا پتہ اللہ ہمیں اس موٹروے والی سڑک سے بھیجے یا وہ پرانی نیشنل ہائی وے ہے اس سے اور ایک نہیں، دو نہیں، ہزار نہیں، پانچ ہزار نہیں، بلکہ اس سے بھی زیادہ احادیث میں ہے کہ:

"ہمارے کتنے ماننے والے ایسے ہیں، جو جنت میں ہمارے ساتھ ملیں گے مگر ستر لاکھ سال بعد۔ تو راوی نے گھبرا کے کہا کہ یہ ستر لاکھ ہوں گے کہاں؟

قیامت میں تو نہیں ہوں گے، قیامت کے لیے تو قرآن نے کہہ دیا:

كَانَ مِقْدَارُهُ خَمْسِينَ أَلْفًا

"قیامت تو ہے ہی پچاس ہزار سال کی"۔

امام علیہ السلام کہہ رہے ہیں کہ ہمارے کچھ شیعہ ستر سال بعد ہمیں آ کر جنت میں ملیں گے۔ اب ایک قیامت کا میدان ہے وہ تو پچاس ہزار سال میں تو ٹوٹ پھوٹ گیا۔ تو یہ کہاں ہے؟ ستر لاکھ سال کہاں گھوم رہے ہیں؟

امام علیہ السلام نے فرمایا کہ یہ وہ ہیں کہ جو اپنے بعض گناہوں کی بنا پر جہنم میں جلا کر پاک کر کے جنت میں بھیجا جائے گا۔

عذاب جہنم کا مطلب سزا نہیں ہے، عذاب جہنم کا مطلب ہے کہ مومن کو ایسا پاک کر دینا کہ وہ جنت میں آنے کے قابل ہو سکے۔ تو قرآن نے کہا کہ جنت کے وعدے کو کافی نہ سمجھو۔ وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ کہہ کر عذاب جہنم سے بچنے کی دعا بھی کرو۔

اور جب دعا کی تو خالی دعا کرنے سے جہنم سے نہیں بچیں گے، کیونکہ کوئی دعا اللہ قبول نہیں کرتا کہ جب تک کوشش نہ ہو۔

شیخ عبدالطاہر خراسانی کا مشہور واقعہ ہے کہ جسے شہید محراب دستغیب شیرازی نے اپنی کتاب میں لکھا ہے۔ شیخ عبدالطاہر خراسانی، ایران کے صوبہ خراسان کے جس میں مشہد مقدس ہے، لیکن اتنا ان کو خانہ خدا کی زیارت کا شوق ہے کہ اپنا گھر بار، عزیز، دوست، احباب، سب کچھ چھوڑ کر مکہ مکرمہ ہجرت کر کے چلے گئے۔

اچھا ــــ!

ہمارے یہاں فقہی کتابوں میں، باقاعدہ یہ ایک باب ہے کہ مکہ کی مجاورت کا ثواب کتنا ہے، مجاورت جوار، جار، پڑوس، اہم ترین مستحبات میں سے ہے۔ تو اس نے مستحب پر عمل کیا اور مکہ میں گئے اور تھے بھی بڑے نیک آدمی اور بہت صاحب تقویٰ تھے۔

یہ ہیں مکہ میں، یہ وہ زمانہ کہ برٹش ایمپائر ہندوستان پہ قبضہ کر رہی ہے۔ آخر یہاں تک کہ مغل سلطنت نے حملہ کیا، کتنے شہزادے اور شہزادیاں دربدر ہو گئے۔ ایک ہندی شہزادہ مکہ آیا اور اپنے ساتھ ایک چھوٹی سی تھیلی لے کر آیا کہ جس میں پچاس یا ساٹھ ہیرے تھے مگر ہر ہیرا ایک ایک کروڑ کا، تو یہ لے کر آیا۔ ساری اس کی زندگی اسی ایک تھیلی میں، آیا اور مکہ میں رہا۔ چند ہفتے رہا اور کسی کام سے مکہ سے باہر جانا ہے، یہ تھیلی لے کر جاؤں تو لٹ جاؤں گا۔ لوگوں سے پوچھا کہ یہاں کوئی امانت دار ہے تو سب نے کہا کہ عبدالطاہر۔ چنانچہ اس نے وہ تھیلی عبدالطاہر کے پاس رکھوائی اور گیا۔ اب وہ اپنے کام سے فارغ ہو کر واپس مکہ آیا اور سیدھا عبدالطاہر کے گھر گیا، وہاں پہنچا تو ایک ایسی خبر اس کا انتظار کر رہی تھی کہ اب سر پکڑ کے بیٹھ گیا۔ امانت نہیں ہے۔

پتہ چلا کہ اسی دوران عبدالطاہر کا انتقال ہو گیا، گھبرا کے اس کے بیٹوں سے کہا کہ بھئی! تمھارے باپ کے پاس امانت رکھوائی تھی اور وہ ایک بڑا سا صندوقچہ لے کر آ گئے اور کہا کہ ساری امانتیں اس کے اندر ہیں۔ آپ دیکھئے ان میں آپ کی امانت کون سی ہے؟

ایک ایک کر کے ساری تھیلیاں ٹٹول لیں۔ کہا کہ ان میں تو میری کوئی امانت نہیں ہے

بیٹوں نے کہا کہ باپ تو یہی چھوڑ کر گئے ہیں۔ وہ ہندی یہ بات سن کر پاگل ہو گیا۔ پاگل پن میں اس نے ایک مرتبہ اپنی عقل سے ایک فیصلہ کیا۔ ایک روایت اس نے بہت سنی تھی کہ مرنے کے بعد نیک لوگ وادی السلام میں بھیجے جاتے ہیں۔ یہ اللہ نے بہت خوبصورت باغ اللہ نے نیک روحوں کے لیے بنایا ہے اور کہا جاتا ہے کہ وادی السلام نجف اشرف سے ملا ہوا ہے۔ اگر چہ خود نجف اشرف کے قبرستان کا نام بھی وادی السلام ہے۔ لیکن روایات میں جو وادی السلام ہمیں بتایا گیا ہے، وہ نہیں پتہ کہ وہ وادی السلام کہاں ہے؟

لیکن جب دل کو لگی ہوتی ہے تو آدمی ضعیف سے ضعیف روایت پر بھی عمل کرتا ہے۔ سیدھا مکہ سے نجف پہنچا۔ مولاؑ کے روضہ میں صبح کی نماز پڑھتا ہے اور صبح سے شام تک نجف کے قبرستان میں بیٹھ جاتا ہے۔ پانچ دن گزرے، دس دن گزرے، مہینہ گزرا، نجف کے رہنے والے ایک آدمی نے ایک دن انھیں ٹوک دیا کہ بھائی! نجف میں جتنے لوگ آتے ہیں ان کی دو قسمیں ہیں: یہاں پہ چونکہ حوزہ علمیہ ہے یا جو طلبا پڑھنے آتے ہیں تو صبح زیارت کے بعد اپنے حوزہ میں چلے جاتے ہیں یا سارا دن مولاؑ کے روضہ پر بیٹھتے ہیں۔ لیکن تم عجیب آنے والے ہو، بتاؤ مسئلہ کیا ہے؟

گھبرا کے کہا کہ مسئلہ یہ ہے کہ میں تو امانت لینے آیا ہوں۔

اس نے کہا کہ امانت نجف میں کیسے ملے گی؟

کہا کہ وہ آدمی بڑا نیک تھا اور نیک لوگ وادی السلام میں بھیجے جاتے ہیں تو میں اس لیے یہاں آ کر بیٹھتا ہوں کہ عبدالطاہر شاید میری آواز سن لے۔

اس آدمی نے کہا کہ تمھیں کس نے یہ گارنٹی دی ہے کہ وہ یہاں پر ہے؟

شہزادہ غصے میں آ گیا، کہا کہ تمھیں نہیں معلوم عبدالطاہر کتنا نیک آدمی تھا۔ ہو ہی نہیں سکتا کہ اللہ مرنے کے بعد اس کو جہنم میں بھیجے۔

اس نے کہا کہ اچھا! ایک کام کرو وہ یہ کہ آخر اتنے دنوں سے یہاں بھی تو try (کوشش) کر رہے ہو، اس میں نقصان کیا ہے تمھارا؟ نہ ملیں تو واپس آ جانا۔

کہا: یہ بات تم نے کام کی ہے، چنانچہ اب یہ سامان باندھ کر یمن چلا وادی برہوت میں، وہاں جا کر کھڑا ہو گیا۔ وہاں ایک صحرا ہے، ایک جنگل ہے اور آواز دی: یا عبدالطاہر!

عبدالطاہر تو نہیں آیا، البتہ ایک جلا ہوا آدمی آیا اور کہہ رہا ہے کہ بھائی کیا بات ہے؟

شہزادے کو غصہ آ گیا، کہا کہ میں بلا رہا ہوں عبدالطاہر کو اور تم کیوں آ گئے؟

اس نے کہا کہ میں ہی تو عبدالطاہر ہوں۔

اب یہ چکرا کر رہ گیا۔ کہا کہ تمھاری حالت کو کیا ہو گیا ہے، تم تو اچھے بھلے تھے؟

اس نے کہا کہ ہاں! تم بات کر رہے ہو دنیا کی، اور یہ میری حالت ہوئی ہے عذاب جہنم کی وجہ سے۔

عبدالطاہر پہ عذاب جہنم آئے کہ یہ ایک عجیب بات تھی کہ یہ شہزادہ اپنے

جواہرات کو بھول گیا۔ گھبرا کے کہا کہ اے عبدالظاہر! اللہ تو عادل ہے، تم پر ظلم کیسے ہو گیا؟

کہا کہ یہ مت کہو کہ اللہ نے ظلم کیا، جب میں مرا، فرشتے میرے پاس آئے۔ مجھے یہ دکھایا کہ میری ساری نیکیوں کا اللہ نے مجھے کتنا بڑا انعام دیا ہے تو میں خوش ہوا۔

لیکن فرشتوں نے کہا کہ افسوس تین گناہ تم نے ایسے کیے کہ اس کی سزا تم کو پہلے برداشت کرنا ہو گی۔

فرشتوں نے کہا کہ ان تین گناہوں کی مثال اس کنکر یا پتھر جیسی ہے جو آپ کسی پرندے کے پَر میں باندھ دیں۔

اب اس شہزادے نے کہا: اچھا! میری امانت کہاں ہے؟

کہا کہ تمہاری امانت اتنی قیمتی تھی کہ ایک ایک ہیرا ایک ایک کروڑ کا تھا۔ مجھے اپنی اولاد پر بھی بھروسہ نہ تھا۔ میں نے سوچا باقی امانتیں تو ٹھیک ہیں مگر تیری امانت کو میں نے عام امانتوں کے ساتھ نہیں رکھا۔ میرے گھر کے صحن میں پچھلی دیوار کے پچاس قدم دُور ایک گڑھا کھود کر میں نے اس کو رکھ دیا ہے۔ جاؤ وہاں سے اُٹھا لو اور واقعاً اس کے بعد اسے ہیروں کی تھیلی مل گئی۔

لیکن ہندی شہزادے کو جب اطمینان ہو گیا تو اب کہا کہ اب یہ تو بتا دو کہ وہ گناہ کون سے ہیں کہ جنھوں نے تجھے اب تک جنت سے روک رکھا ہے؟

کہا: میرا پہلا گناہ یہ تھا اور یہیں پہ آج کی مجلس تمام ہو گی اور باقی باتیں کل ہوں گی۔ کہا کہ میرا پہلا گناہ یہ تھا کہ ایک بار میں نے ایک درہم غیر مستحق کو دے دیا، فراڈ کی وجہ سے نہیں دیا، لیکن جو صحیح سائل ہیں ان کا حق ادا نہ کیا۔

اس کا مطلب یہ ہوا کہ ایک صحیح سید کا حق مارا گیا، کہا کہ یہ وہ گناہ ہے جو

اللہ معاف نہیں کرتا۔

اور دیکھئے ــــــ!

ہمارے معاشرے میں یہ خمس بھی بعض افراد کا دھندا ہے، پبلک سے خمس لیتے ہیں اور ہڑپ کر جاتے ہیں۔ عبدالطاہر کا یہ جملہ کہ خمس کا ایک درہم میں نے ایک غیر مستحق کو دیا۔

لیکن بہر حال ــــــ! غلط جگہ پہ جانے سے مستحق عذاب بن گیا۔

اور دوسرا گناہ یہ کہ ایک مرتبہ ایک عالم میرے پاس آیا اور میں نے اس کی عزت نہیں کی۔ شیخ عبدالطاہر کا پہلا گناہ اور دوسرا گناہ آپس میں ملے ہوئے ہیں۔ جتنا قوم صحیح علماء سے دُور رہے گی، جتنا قوم واجبات کی معلومات سے دُور رہے گی، اتنا یہ قدم قدم پہ مسئلے پیش آئیں گے۔

تو وہ دو گناہ جو بہت بڑے قرار دیے گئے کہ جنتی کو بھی روک دیا گیا کہ پہلے عذاب برداشت کر اور پھر جنت میں قدم رکھنا۔ ان دونوں گناہوں کا آپس میں ربط بھی ہے اور اسی کو ذہن میں رکھتے ہوئے یہاں کی ان مجالس میں آپ سے سوال مانگے ہوئے تھے۔

اور سوالات خاصے آگئے ہیں، سب کا جواب آج ممکن نہیں ہے۔ پھر بھی دو تین سوالات کا میں جواب دے رہا ہوں۔

سوال یہ ہے کہ میرا بیٹا دو سال کا ہے، اور اس سے چھوٹی میری ایک بیٹی چھ ماہ کی ہے۔ اور جب سے بیٹی پیدا ہوئی ہے کہ بیٹے نے دودھ پینا چھوڑ دیا ہے، کوئی قرآنی نسخہ بتائیں؟

جواب: اس کے اندر نظر بد کا تو پہلو کم ہے۔ یہ بعض بچوں کی عادت ہوتی ہے۔ جب دو بچوں میں اتنا کم وقفہ ہو تو ایک خاص قسم کا جیلس پن بچوں میں پیدا

ہو جاتا ہے، خاص کر بڑے بچے میں۔ تو اس کا علاج بھی یہی بتایا جاتا ہے کہ بڑے بچے کو کتنے اچھے طریقے سے ہینڈل کرنا ہے۔

یہ ہے ماں کا کمال، یہ ہے ماں کی ذمہ داری۔ تو خلاصہ یہ ہے کہ اس کو نظرِ بد کہنا مشکل ہے، لیکن ہو سکتا ہے کہ یہ نظرِ بد بھی ہو تو اس کے لیے آپ سورۂ قلم کی آخری سے پہلے والی آیات پڑھیے۔ یہ ہر نماز کے بعد اپنے بچے پہ پھونکیے اور جو چیز بھی کھلائیں تو آیت پھونک کر پلائیں۔

سوال: ایک سوال یہ ہے کہ سنا یہ ہے کہ واجب نماز کے ساتھ کچھ نفلی نمازیں بھی ہیں اور پوچھا ہے کہ نمازِ وتر کیا ہے؟

میں اس طرح نماز پڑھتی ہوں، انھوں نے ایک لسٹ لکھی ہے کیا یہ صحیح ہے؟

جواب: اب دیکھیے ــــــ! یہ حسینؑ کی صفِ عزاء ہے اس میں ہر ایک کو آنے کی اجازت ہے۔ اگر یہ سوال فقہ حنفی یا برادرانِ اہلِ سنت سے تعلق رکھنے والی کسی خاتون کا ہے تو جو انھوں نے لکھا ہے وہ صحیح لکھا۔ لیکن شیعہ مذہب میں نمازوں کا یہ طریقہ نہیں ہے جو انھوں نے لکھا ہے۔ تو اب اگر یہ کسی غیر شیعہ خاتون کا سوال ہے تو آپ نے جو لکھا ہے وہ صحیح لکھا ہے۔ لیکن اگر کسی شیعہ خاتون کا سوال ہے تو اب سنیے:

آپ نے لکھا ہے کہ آپ فجر کے وقت چھے رکعات نماز پڑھتی ہیں۔ دو سنت، دو فرض، دو نفل۔ پہلی بات تو یاد رکھیے کہ ہمارے شیعوں میں سنت اور نفل الگ الگ نہیں ہیں۔ ایک ہی چیز ہیں۔

اور دوسری چیز یہ کہ فجر کے وقت چھ رکعات نہیں بلکہ چار رکعات ہیں۔ دو رکعات سنت، دو رکعات فرض۔

ظہر میں آپ نے لکھا مگر شیعہ مذہب میں ہے کہ چار رکعات فرض اور آٹھ

رکعات سنت ہے۔ یہی ترتیب عصر میں۔ مغرب میں شیعہ میں تین رکعات فرض اور چار رکعات سنت ہے اور عشاء میں چار رکعات فرض ہیں اور ایک وتر ہے۔ اور وتر ہونا بھی ایک چاہیے۔ عربی میں وتر کے معنی ہیں ایک، طاق۔

لیکن اس کو بیٹھ کر پڑھنا ضروری ہے اور بیٹھ کر اگر پڑھی جائے تو ایک رکعت ہو جاتی ہے دو رکعات، سنی واجب میں نہیں۔

اب یہ کہ وتر نماز کیا ہے؟ وتر نماز ایک نماز کو کہتے ہیں یہ عشاء میں بھی پڑھی جاتی ہے اور یہ تہجد میں بھی ایک رکعت پڑھی جاتی ہے۔

سوال: اب ایک سوال یہ ہے کہ کیا ظہرین اور مغربین میں ہر ایک نماز کی اقامت الگ الگ ہے؟

جواب: دیکھئے ! اقامت واجب تو نہیں ہے، سنت ہے۔ یعنی بڑا ثواب ہے اور سنت یہ ہے کہ ہر نماز کی اقامت الگ الگ ہو۔

سوال: سوال یہ ہے کہ تسبیح زہراؑ ظہرین کے بعد ایک پڑھ لیں یا ظہر کے بعد الگ اور عصر کے بعد الگ۔

جواب: یہ ہے کہ وہ ہر نماز کے لیے الگ الگ ہے۔

سوال: زیارت امامؑ پڑھنے کے لیے آسمان کے نیچے ہونا ضروری ہے یا کمرے میں بھی پڑھ سکتے ہیں؟

جواب: مردوں کے لیے تو مستحب یہ ہے کہ آسمان کے نیچے پڑھیں اور خواتین کے لیے تو بہتر ہے ہر عبادت تنہائی میں کریں، کمرے میں بھی پڑھی جا سکتی ہے۔

سوال: آفس سے واپس آتے ہوئے مغرب ہو جاتی ہے، نماز مغرب کا وقت تو مل جاتا ہے مگر ساتھ میں عشاء نہیں پڑھی جا سکتی تو گھر جا کر مغرب عشاء

اکٹھی پڑھنی چاہیے؟

جواب: آپ نے تو آفس کا مسئلہ لکھا میں تو کہتا ہوں ایک عام آدمی کا مسئلہ، جو گھر میں ٹھاٹھ سے بیٹھا ہوا ہے، سنت ہے کہ مغرب اور عشاء علیحدہ علیحدہ پڑھی جائے، عشاء کی فضیلت کا وقت آتا ہے مغرب کے بعد پینتالیس منٹ کے بعد۔ اجازت ہے کہ مغرب کے فوراً بعد عشاء پڑھ سکتے ہیں۔

سوال: آپ نے بتایا کہ بی بی آسیہ جنت میں رسولؐ خدا کی بیوی ہوں گی تو یہ تو ہم نے آج تک کسی مولوی صاحب سے نہیں سنا تو آپ یہ بتا سکتے ہیں کہ یہ بات کہاں لکھی ہے؟

جواب: ہمارے یہاں اکثر حدیثوں کا ماخذ ایک ہی کتاب ہے بحارالانوار۔ یہ روایت بحارالانوار کے اندر بھی ہے اور یہ روایت حیات القلوب کی دوسری جلد میں بھی ہے۔

سوال: نمازِ شب وہ کس طرح پڑھی جاتی ہے اور کیا پڑھنا واجب ہے؟

جواب: نمازِ شب جس کے دو نام ہیں: اس کو نمازِ تہجد بھی کہتے ہیں، اس کو نمازِ شب بھی کہتے ہیں۔ یہ گیارہ رکعات نماز ہے۔ آٹھ رکعات الگ اور دو رکعات نمازِ شفع اور ایک رکعت نمازِ وتر ہے۔

البتہ اگر اس کے قنوت میں چالیس مومنین کے نام لے سکیں، یا اس سے زیادہ، زندہ یا مُردہ تو بہت ہی اچھا ہے۔ اور جہاں تک یہ کہ کیا یہ واجب ہے؟ نمازِ تہجد رسولؐ خدا پر واجب تھی اور ہمارے لیے سنتِ موکدہ ہے۔

ذکرِ مصائب

اور اتنی زیادہ نمازِ شب کی تاکید ہے کہ میرا مظلوم آقاؑ فرماتا ہے کہ جب

سیدانیوں کا لٹا ہوا قافلہ کربلا سے کوفہ گیا اور کوفے سے شام گیا تو کئی جگہ راستے میں ایسا وقت آیا کہ جب یہ ڈر لگا عمر ابن سعد کو کہ یہ جو گاؤں ہے یہ شیعوں کا ہے، یہ ہم پر حملہ کریں گے اور ہمیں نقصان پہنچائیں گے تو اس نے حکم دیا کہ راستے میں سواریوں کو روکا نہ جائے۔

مولا سجادؑ فرماتے ہیں لیکن میں نے دیکھا کہ کربلا کی ساری بیبیوںؑ نے رات کی چلتی ہوئی سواری پر بھی نمازِ شب پڑھی اور اس طرح پڑھی ہے کہ ان کے ہاتھ گردن کے پیچھے بندھے تھے اور یہ بھی میرے مولا سجادؑ کا جملہ ہے: حتیٰ کہ یہ جب شام کے قیدخانہ میں ہم لوگ ایک سال رہے تو وہاں بھی میں نے دیکھا کہ میری پھوپھی زینبؑ نہ صرف یہ کہ نمازِ شب پڑھ رہی ہیں بلکہ زمین پر بیٹھ رہی ہیں۔

میں نے گھبرا کے پوچھا تھا کہ پھوپھی اماں! آج کون سا دن آ گیا کہ آپ نماز بیٹھ کر پڑھ رہی ہیں؟

میری پھوپھی نے کہا کہ سجادؑ بیٹا! یہ ظالم جو کھانا اور پانی بھجواتے ہیں وہ اتنا کم ہوتا ہے کہ میں اپنا حصّہ بچوں کو دے دیتی ہوں۔

زینبؑ کی نمازِ شب ایسی نماز تھی کہ جب آخری رخصت کے وقت آقا حسینؑ بی بی زینبؑ کے پاس آئے تھے تو کہا تھا: زینبؑ! میری ایک وصیّت یہ ہے، وصیّت یہ کہ مجھے نمازِ شب میں یاد رکھنا۔

●......●......●

مجلسِ نہم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وَ مِنْ اٰیٰتِہٖۤ اَنْ خَلَقَ لَکُمْ مِّنْ اَنْفُسِکُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْکُنُوْۤا اِلَیْھَا وَ جَعَلَ بَیْنَکُمْ مَّوَدَّۃً وَّ رَحْمَۃً (سورۂ روم، آیہ ۲۱)

پانچ روزہ مجلس کے سلسلہ کی آج یہ پانچویں اور آخری مجلس ہے۔ ان میں مختلف آیات کی تلاوت کی گئی لیکن آیات بے شک الگ الگ ہیں، مفہوم سب کا ایک ہے۔

پہلی مجلس میں حضرت آسیہ کی مثال اس لیے پیش کی گئی تھی کہ قرآن تمام ایمان لانے والوں کو، آخرت تک پیدا ہونے والوں کو جنابِ آسیہ کی مثال ان الفاظ میں پیش کر رہا ہے:

وَضَرَبَ اللّٰہُ مَثَلًا لِّلَّذِیْنَ اٰمَنُوا امْرَاَتَ فِرْعَوْنَ

"اللہ ایمان لانے والوں کے لیے فرعون کی بیوی کی مثال پیش کرتا ہے"۔

اِذْ قَالَتْ رَبِّ ابْنِ لِیْ عِنْدَکَ بَیْتًا

جب فرعون کے تمام مظالم کے درمیان کمل کر بھی وہ کہہ رہی تھی:

"اے میرے پالنے والے، میرے لیے دنیا میں فرعون کا محل بیکار ہے، اپنے پاس جنت میں میرے لیے ایک گھر بنا"۔

وَنَجِّنِيْ مِنْ فِرْعَوْنَ

"خداوندا! مجھے فرعون سے نجات دے"۔

لیکن یہ ایک اگلا ٹکڑا ہے جسے میں عام طور پر تو ربیع الاول کے سوگ بڑھانے کی محفل میں پڑھا کرتا ہوں، اب تفصیل کے ساتھ آج نہیں۔ آج تو مختصر، تو "خداوندا! مجھے فرعون جیسے ظالم سے نجات دلا"۔

لیکن خالی فرعون سے نجات کافی نہیں ہے: وَمِنْ عَمَلِهٖ "اور اس کے اعمال، اس کے کرتوت اس سے بھی مجھے نجات دلا"۔

جیسا کہ آج صبح جعفری ہاؤس کی مجلس میں بھی مَیں پڑھ رہا تھا کہ مومن زبان سے تو کہے کہ فرعون بُرا ہے مگر کام وہی کرے جو فرعون کر رہا ہے۔ مومن زبان سے تو کہے کہ نمرود بُرا تھا مگر کام وہی کرے جو نمرود کر رہا ہے۔ مومن زبان سے تو کہے کہ یزید بُرا تھا مگر کام وہی کرے جو یزید کر رہا تھا۔

اب اس کی پوری تشریح کہ اسلام میں تبرا دو چیزوں کا نام ہے، شخصیتوں سے نفرت، وہ شخصیتیں جو آلِ محمدؐ کے لیے اور عام انسان کے لیے ظالم ہیں اور ان شخصیتوں کے کردار سے بھی نفرت۔ یہ جنابِ آسیہ کی اس مثال میں موجود ہے جسے جنابِ آسیہ نے قیامت تک کے لیے ایک نمونہ بنا کر دیا۔

اب جنابِ آسیہ نے کیا کیا قربانیاں دیں، یہ تین دن پہلے کی مجلس تھی۔ اور کل اعلان ہوا، کل کی مجلس میں آیت کی تلاوت کی گئی کہ بے شک یہ کہو:

رَبَّنَآ اٰتِنَا فِی الدُّنْيَا حَسَنَةً

"اے اللہ! تو ہمیں اس دنیا میں بھی اچھی چیزیں دے"۔

وَّفِی الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً

"اور آخرت میں اچھی چیزیں دے"۔

لیکن ——!

وَّ قِنَا عَذَابَ النَّارِ

آخرت میں جنت مل جانا، جو جنابِ آسیہ کی آیت میں بھی ہے۔

رَبِّ ابْنِ لِیْ عِنْدَکَ بَیْتًا فِی الْجَنَّةِ

کہ "اے خدا! مجھے جنت میں ایک محل دے"۔

مگر ——!

وَّ قِنَا عَذَابَ النَّارِ

جہنم کے عذاب سے بچ کر کتنے ہی صاحبانِ ایمان ایسے ہیں جن کے لیے، بلکہ سارے مومن ایسے ہیں کہ جن کے لیے جنت یقینی ہے، مگر کتنے کم ایسے ہیں جو مرتے ہی جنت میں جائیں گے؟ یا قیامت کے دن حساب و کتاب کے بعد فوراً جنت میں جائیں گے؟ اور کتنے سارے ایسے ہیں جن کو جنت میں جانے کے لیے پہلے جہنم سے ہو کے گزرنا ہوگا؟

اور خاص طور پر کل کے واقعے میں ایک بات رہ گئی ہے۔ آج مجھے ایسا ' رہا ہے کہ شاید میں تقریر زیادہ نہ کر پاؤں اس لیے نہیں کہ میں بہت تھکا ہوا ہوں۔ 'نہیں، آج آخری تقریر میں سوال اتنے آگئے ہیں کہ اگر ایک ایک جملے میں بھی ان کا جواب دیا جائے تو گھنٹہ تو اس میں لگ جائے گا۔ لیکن میں سارے سوالوں کے جواب بھی نہیں دے پاؤں گا۔

تو بہر حال ——!

پہلے جو کل کا عنوان تھا اس پہ بات مکمل کرنا ہے۔ پھر کچھ سوالات کے جوابات ہیں، اور پھر جتنا وقت باقی بچے گا مغرب سے پہلے، تو جو آج میں نے تیسری آیت تلاوت کی ہے، خاص آج کی مجلس کے لیے، اس کا ترجمہ اور اس کی

تھوڑی سی تفسیر۔

تو جہنم کے عذاب سے بچ کر اگر جنت ملے تو کمال ہے اور اگر جنت میں گئے مگر پہلے عذاب جہنم برداشت کیا اور کتنے ہی ایسے لوگ ہیں، جن کے بارے میں ہم سوچتے ہیں کہ اپنے سارے اعتبار سے جنتی ہیں کہ شیخ عبدالطاہر خراسانی کی طرح سے جنت کا حق دار ہونے کے باوجود ایک آدھ کوئی گناہ ایسا کر دیتے ہیں کہ جس کی سزا اللہ ہر صورت میں دے گا اور اس میں سے تیسرا اور آخری تو بہت بڑا گناہ ہے۔

شیخ عبدالطاہر خراسانی نے پہلا گناہ غیر حق دار کو خمس پہنچا کے کیا۔ اور دوسرا گناہ یہ کہ انھوں نے ایک بار کسی عالم کی عزت نہیں کی تھی اور تیسرا گناہ شیخ عبدالطاہر کا یہ ہے کہ وہ آپ ہندوستانی شہزادے کو بتا رہے ہیں کہ مرنے کے بعد پتہ چلا کہ میرا تیسرا گناہ یہ ہے کہ میرے والدین جو وطن خراسان میں تھے جنھوں نے میرے ساتھ ہجرت نہیں کی۔

شیخ عبدالطاہر خانہ خدا کی محبت میں اپنا وطن چھوڑ کر آئے، اللہ کے گھر کے پڑوس میں رہنا ہے اس لیے وطن چھوڑ کر آئے، تاکہ وہ اللہ کے گھر میں عبادت کریں۔

اس محبت میں آ رہے ہیں، لیکن والدین تو تڑپ رہے ہیں نا، اپنے شہر میں، ان کی کوئی اور دیکھ بھال کرنے والا بھی نہیں ہے۔ بڑھاپے میں والدین آسانی سے اپنا وطن نہیں چھوڑتے ہیں۔ کتنے لوگوں کو میں نے دیکھا کہ وہ امریکہ یا کینیڈا گئے تو والدین کو ساتھ لے کر گئے۔ بیمار پڑ گئے والدین، جہاں جا کر دنیا بھر کے بیمار کو صحت ملتی ہے، وہاں بیمار پڑ گئے۔

اور بیمار کسی جسمانی خرابی کی وجہ سے نہیں، ذہنی پریشانی کی وجہ سے۔ ماں باپ کو اپنی برادری، اپنا خاندان چاہیے۔ وہ ایسے ماحول میں نہیں رہ سکتے ہیں کہ صبح

ہوئی کہ شوہر اپنی گاڑی ڈرائیو کر کے چلا گیا اور بیوی اپنی گاڑی لے کر چلی گئی۔ اس طرح ماں باپ سارا دن پڑے بیمار ہو جاتے ہیں تو والدین آسانی کے ساتھ ہجرت نہیں کرتے۔ تو اسی طرح عبدالطاہر کے والدین نے بھی کہا کہ تم یہیں ٹھہرو، ہمارا کوئی اور بیٹا نہیں ہے، تم خدمت کرو گے۔

اور اس نے کہا کہ تم میرے ساتھ چلتے ہیں تو چلیے لیکن میں اللہ کے گھر کو نہیں چھوڑ سکتا۔ اتنا نیک انسان، اتنا مقدس انسان، والدین کو تکلیف پہنچائی۔ ان کا خیال نہ رکھا، اپنی عبادت کے لیے ان کو اکیلا چھوڑ دیا۔ اللہ کو ایسی عبادت نہیں چاہیے جو والدین کو تکلیف پہنچانے کے لیے کی جائے۔

ہاں ـــــ!

واجبات میں والدین کی بات نہیں چلے گی لیکن واجبات کے علاوہ۔ یہ سوال کسی نے مولاؑ سے بھی کیا تو (نہج البلاغہ میں) جواب آ گیا۔ چوتھے امامؑ سے بھی کیا تو صحیفۂ کاملہ میں جواب آ گیا اور ان سب سے پہلے رسولؐ اللہ سے بھی کیا تو قرآن میں اس کا جواب آ گیا۔

کیا سوال؟ دین دار بچے اور بچیاں آ کے کہتے ہیں کہ یا رسولؐ اللہ! ایک طرف آپ والدین کا اتنا احترام بتاتے ہیں کہ فرماتے ہیں کہ "تمھاری جنت تمھاری ماں کے پیروں تلے ہے"۔ فرماتے ہیں کہ "اللہ باپ کی خوشی سے خوش ہوتا ہے اور باپ کی ناراضگی سے ناراض ہوتا ہے" اور دوسری جانب یہ باپ اور ماں کبھی ہمیں شراب کے راستے پر لگاتے ہیں۔

تو قرآن کی آیت آئی، کہ "ہم نے تم کو وصیت کی ہے کہ اپنے والدین سے اچھا سلوک کرنا"۔

امامؑ فرماتے ہیں کہ تین جگہ قرآن نے اکٹھے ماں و باپ کا اور اپنا ذکر کیا ہے:

وَ قَضٰی رَبُّکَ اَلَّا تَعۡبُدُوۡۤا اِلَّاۤ اِیَّاہُ وَ بِالۡوَالِدَیۡنِ اِحۡسَانًا
(سورۂ اسراء، آیہ ۲۳)

تین بار آیت آئی کہ "اللہ نے یہ فیصلہ کردیا کہ عبادت اس کی ہوگی اور پھر احسان والدین کے ساتھ"۔

مگر جب پیغمبرؐ کے پاس روزانہ یہ شکایت آنے لگی تو سورۂ عنکبوت کی آیت نازل ہوئی:

وَ اِنۡ جَاهَدٰكَ لِتُشۡرِكَ بِیۡ مَا لَیۡسَ لَكَ بِهٖ عِلۡمٌ فَلَا تُطِعۡهُمَا (سورۂ عنکبوت، آیہ ۸)

"اگر تیرے والدین تجھے میرے خلاف لے جانا چاہیں تو اس وقت ان کی اطاعت نہ کرنا"۔

اور مولاؑ نے نہج البلاغہ میں فرمایا:

لَا طَاعَةَ الْمَخْلُوقِ فِي مَعْصِيَتِ الْخَالِقِ

اصول دے دیا کہ "کبھی بھی کسی بندے کی اطاعت نہیں ہوگی جب خالق کی نافرمانی ہوگی"۔

تو جہاں پر مسئلہ اطاعتِ خدا کا ہو وہاں تو کسی کی بات نہیں مانیں گے۔ مگر اگر والدین ناراض ہوتے ہیں تو مستحبات تم چھوڑ سکتے ہو، نمازِ شب غلط ہوجاتی ہے اگر والدین ناراض ہوں تو ایک فہرست ہے مسائل کی۔

تو شیخ عبدالطاہر خراسانی کہتے ہیں کہ یقیناً میرے والدین اکیلے تھے، لیکن میں نے جب ان سے کہا کہ چلیں مکہ؟ تو انھوں نے کہا کہ بیٹا اس بڑھاپے میں ہم کہاں جائیں گے نئے شہر میں، یہاں ہماری برادری ہے۔

میں نے کہا کہ یہ آپ کی مرضی ہے، میں تو اللہ کا گھر نہیں چھوڑوں گا۔

حالانکہ حدیث میں ہے کہ "خانہ کعبہ کی زیارت سے زیادہ ثواب ماں اور باپ کے چہرے کی زیارت کا ثواب ہے۔

میں والدین کے لیے ایک لفظ استعمال کرتا ہوں، والدین ڈش انٹینا کی مانند ہیں۔

دیکھیے ــــــ!

اگر آپ کے گھر میں ڈش ہے، اللہ کرے کہ نہ ہو لیکن اگر ہو بھی تو کوئی حرج نہیں ہے۔ اگر آپ اس کو شریعت کے طریقے سے استعمال کریں۔ ڈش جو ہے نا، جب آپ کے ٹی وی پر لگتی ہے یہ سارے چینلوں کے پروگرام ہوا میں تیر رہے ہیں۔ اس کا کام صرف یہ ہے کہ جو ہوا میں سگنل موجود ہیں، پروگرام ہیں، ڈش انہیں کھینچ کر آپ کے گھر میں اتارتی ہے۔

اسی طرح سے اللہ اپنی رحمت کو ہر وقت آپ کے گھر کے اُوپر رکھتا ہے۔ پتہ نہیں اللہ کی کتنی رحمتیں گھوم رہی ہیں۔ لیکن گھر میں ایک ایسی چیز ہونی چاہیے، جو رحمت کو کھینچ کر آپ کے گھر میں اُتارے تو کیا کیا چیزیں رحمتِ خدا کو کھینچتی ہیں؟

قرآن رحمتِ خدا کو کھینچتا ہے، جس گھر میں آیت الکرسی یا چاروں قل کا وہ تعویذ لگا ہوتا ہے یہ بھی رحمت کو کھینچنے والی ایک چیز ہے۔ اور ان سے بڑھ کر یہ کہ جس گھر میں عزاداری ہوتی ہے وہ تو اتنا رحمت کو کھینچ کر لاتی ہے جیسے یہاں پر یہ مجلس ہو رہی ہے، چاہے پانچ عورتوں کی مجلس ہو، مجلس کا کام بھی ہے رحمت کو کھینچ کر لانا۔ بلکہ مجلسِ حسینؑ تو وہ چیز ہے کہ جو خود شہزادی فاطمہؑ کو آپ کے گھر میں لاتی ہے۔ جہاں زہراؑ آجائیں وہاں رحمت کی ضرورت ہی کیا ہے؟

یہ مجلس چوتھے امامؑ کو آپ کے گھر میں لے کر آتی ہے، رحمت کا سب سے بڑا ذریعہ آپ کے ہاں یہ مجالس ہیں۔

قرآن، آیت الکرسی اور عزاداری، تو یہ وہ چیزیں ہیں کہ جو رحمت کو کھینچتی ہیں۔ ان کے علاوہ بھی ایک بہت اہم ذریعہ ہے رحمتِ خدا کو کھینچنے کا، اور اس کا نام ہے والدین۔

ہمیں معلوم نہیں کہ والدین کیا ہیں، چنانچہ ہم بدتمیزی کرتے ہیں، بدزبانی کرتے ہیں تو خلاصہ یہ کہ عبدالطاہر خراسانی اپنی ساری عبادتوں کا ثواب رکھتا ہے مگر یہ ساری عبادتوں کا ثواب رُک گیا، والدین ناراض تھے۔

تو قدر کیجیے والدین کی، احترام کریں والدین کا۔ حق ادا کریں والدین کا لیکن دو باتوں کو ذہن میں رکھ کر، اتنا آگے بھی نہ بڑھ جائیے والدین کی اطاعت میں، کہ اللہ کے حکم کی خلاف ورزی ہو یا کسی اور پر ظلم ہونے لگے۔

والدین کے لیے آپ اپنے کو قربان کرسکتی ہیں، کسی اور کو نہیں۔ وہ آپ کے والدین ہیں کسی اور کے نہیں۔

اور دوسری بات یہ کہ اسلام والدین سے بھی ایک گزارش کرتا ہے کہ دیکھو! یقیناً تمہارا رتبہ بہت بڑا ہے، لیکن اپنے اس بڑے رتبے سے ناجائز فائدہ نہ اٹھانا۔ اگر اللہ نے اپنے ساتھ تین مرتبہ تمہاری اطاعت کا حکم دیا تو اللہ کا جیسا انداز اختیار کرنا، ہم اللہ کی کتنی نافرمانیاں کرتے ہیں۔ وہ ہر ایک کو نظرانداز کرتا ہے۔ مرتے دم تک ہمیں مہلت دیتا ہے۔ ایسا نہ ہو کہ باپ اور ماں سمجھیں کہ ہمارا رُتبہ بڑا ہے، تو ہم جائز اور ناجائز، ہر طریقے سے اپنی اولاد کو دبا سکتے ہیں۔

ہمارے ہاں ایک بڑی خرابی اس لیے بھی پیدا ہوئی کہ آپ کسی کو کتنا دبائیں گے؟ بعض بڑوں نے اپنے چھوٹوں پہ والدین کے نام پر اتنا ظلم کیا کہ غصے میں آکر ان کو یہ جواب ملنا پڑا کہ اپنی بزرگی کا خیال کرو۔

والدین اگر اپنی زبان کو قابو میں کرلیں، خاص طور پر مائیں تو بہت سے

مسئلے ہمارے معاشرے کے حل ہو جاتے ہیں۔ لیکن گھوم کے بات وہیں پہ آ گئی، جہاں کل پہنچی تھی کہ سارا مسئلہ یہ ہے کہ ہمیں دین کی صحیح معلومات نہیں ہیں۔

صرف تین چیزیں ایسی ہیں کہ ہمیں آنکھیں بند کر کے ان کی بات ماننا ہے —— اللہ، رسولؐ اور اولی الامر۔ باقی ہر ایک کے لیے، ایک لائن ہے۔

لیکن یہ ہمیں پتہ کیسے چلے کہ کہاں تک والدین کی ماننی ہے؟ یہ پتہ چلتا ہے شریعت کے علم سے، جو آج ہمارے ہاں سب سے کم حاصل کیا جاتا ہے۔ جس کے لیے امامؑ کی ایک حدیث ہے، ہماری تکلیف میں امامؑ ہم سے زیادہ تکلیف محسوس کرتے ہیں لیکن فرماتے ہیں:

> "میں پسند کرتا ہوں کہ میرے شیعوں کے سروں پہ کوڑے برسائے جائیں گے تاکہ وہ علمِ حلال و حرام اور علمِ شریعت حاصل کریں"۔

یہی اُن کو بڑے بڑے گناہوں سے بچائے گا۔ چوتھے امامؑ کی دعا صحیفۂ کاملہ میں مکارمِ اخلاق پڑھ لو۔

تڑپ تڑپ کر عذابِ جہنم کو یاد کر رہے ہیں اور رو رہے ہیں۔ دعائے کمیل میں میرے مولاؑ سے عذابِ جہنم کی کیفیت سن لو۔

یہاں تو زبان آزاد ہے تاکہ جو چاہے کہہ دیا، نہ واجبات نہ محرمات، نہ پردہ نہ خمس، نہ نمازیں، نہ والدین۔ سورۂ یٰسین میں پہلی بات یہی بتائی گئی کہ ہم ان کی زبانیں بند کریں گے، پھر باقی عذاب آئے گا تو جسے ذرا بھی خوفِ خدا ہے تو وہ جانتا ہے کہ شریعت نے ہر مسئلے میں آسانی بھی رکھی ہے اور بچنے کا راستہ بھی رکھا ہے۔ شرط یہ ہے کہ آپ مسائل کو حاصل کریں۔

آیئے —— ! ایک مرتبہ تقریر کے سلسلے کو فی الحال روکیں اور مختصر سی مگر

کوشش کریں کہ تمام سوالات کے جوابات آ جائیں۔ اب ایک گزارش یہ ہے۔ اب کسی سوال کی گنجائش نہیں ہے۔

سوال: کہ میں اپنے بیٹے کے لیے جہیز نہیں چاہتی۔ اگر لڑکی والے دینے پہ اصرار کریں تو اگر ہم نہ لیں تو اس کا حل کیا ہے؟

جواب: اسلام میں جہیز واجب نہیں ہے، مستحب نہیں ہے، حرام بھی نہیں ہے۔ وہ اپنی خوشی سے دے رہے ہیں اور انھوں نے پہلے کہا کہ نہیں، ہم کو دینا ہے، ہمیں اچھا نہیں لگتا کہ ہماری بیٹی سسرال میں خالی ہاتھ جائے تو لے لیجیے۔ پھر کوئی حرج نہیں۔

سوال: زنجیر زنی کے بارے میں بتائیں کہ یہ جائز ہے کہ نہیں؟

جواب: اس قسم کے سوالات، اول تو خواتین کے درس کا حصّہ نہیں ہیں اور دوسرا یہ ہے کہ یہ سوال ایسا ہے کہ جس کا تعلق تقلید سے ہے۔ جو آدمی جس مرجع کی تقلید کرتا ہے تو وہ اس مرجع کا فتویٰ پوچھے۔ آیت اللہ العظمیٰ حافظ بشیر حسین نجفی اور آیت اللہ علی سیستانی کے نزدیک جائز ہے۔

سوال: کسی نجومی کو ہاتھ دکھانے سے دعا قبول ہوتی ہے کہ نہیں؟ کیونکہ نجومی تو رسولؐ کے زمانے میں بھی ہوا کرتے تھے؟

جواب: رسولؐ کے زمانے میں تو شرابی بھی ہوا کرتے تھے، رسولؐ کے زمانے میں جواری بھی ہوا کرتے تھے۔ مسئلہ یہ ہے کہ جائز ہے کہ نہیں؟ تو نجومی کو ہاتھ دکھانا یا ستاروں کا پوچھنا یہ ساری معلومات لینا جائز ہے لیکن یقین کر لینا حرام ہے۔

جو آدمی کہے کہ میرے پاس جن آتے ہیں، میں فال نکالوں گا اس کے پاس تو جانا بھی حرام ہے۔ چاہے یقین کریں یا نہ کریں۔ جادوگر کے پاس جانا بھی حرام ہے چاہے اس کی رائے پر عمل کریں یا نہ کریں، لیکن نجومی اور ستاروں کا جاننا

اور ان کو ہاتھ دکھانا، یہاں تک جائز ہے۔ اس میں یقین کرنا حرام ہے۔

اچھا اب یقین کسے کہتے ہیں؟ یقین یہ کرنا کہ نجومی نے کہا کہ تمھارے ہاتھ کی لکیر یہ بتا رہی ہے کہ تمھیں ایک بیماری ہونے والی ہے اور آپ نے یقین کرلیا کہ یہ ہوگا اور اللہ بھی اسے (معاذ اللہ) نہیں روک سکتا۔

اتنا یقین کریں تو حرام ہے، اچھا! اس نے کہا کہ بھئی! احتیاط کرنا کہ اگلے ہفتے کوئی بلا آسکتی ہے۔ یہ بھی حرام نہیں ہے، اس کی بات سنی، حرام نہیں ہے، احتیاط کی پھر بھی حرام نہیں ہے۔ حرام ہے یہ مرحلہ کہ کہنا کہ اگر اللہ بھی چاہے تو یہ فیصلہ نہیں ٹل سکتا۔ پھر حرام ہے۔

ہاں! اگر آپ عورت ہیں تو آپ کسی مرد نجومی کو اپنا ہاتھ نہیں دے سکتی۔ دُور سے دکھا دیجیے اگر وہ آپ کے ہاتھ کو پکڑ کر ایک لکیر پہ ہاتھ رکھے یہ جائز نہیں ہے۔

سوال: امامِ زمانہؑ کے صدقے کو صحیح طریقہ سے دینا کا طریقہ کیا ہے؟

جواب: وہی جو عام طریقہ ہے کہ آپ نے صبح سویرے صدقہ نکالا کہ امامِ زمانہؑ کی سلامتی کے لیے ہے اور پھر وہ صدقہ کسی سید فقیر کو دے سکتے ہیں کیونکہ سید کا صدقہ سید لے سکتا ہے اور کسی دینی طالب علم کو دینا سب سے بہتر ہے۔

سوال: امام حسینؑ کی زیارت امامِ زمانہؑ کی طرف سے پڑھنے کی کیا نیت ہے؟

جواب: دیکھئے! یہ کوئی ایسی نیت نہیں ہے۔ بس! آپ امام حسینؑ کی زیارت پڑھیے اور آخر میں کہیے کہ اس کا ثواب امامِ زمانہؑ کو ملے اور کوئی طریقہ نہیں ہے۔

ایک طریقہ یہ ہے کہ لوگوں کو زیارت پر بھجواؤ، پڑھنا نہیں۔ نیت یہ ہو کہ میں اسے امامؑ کی طرف سے بھجواتی ہوں جیسے حج اور عمرے پر جانے والے اکثر لوگ امامِ زمانہؑ کی طرف سے حج اور عمرہ پہ جاتے ہیں۔

سوال: کیا جناب قاسمؑ کی مہندی کی زیارت نکالنا صحیح ہے؟ کیا ممکن ہے کہ شبِ عاشور کربلا میں نکاح ہو رہا ہو؟

جواب: یہ تین الگ الگ باتیں ہیں۔ شبِ عاشور کربلا میں نکاح ہونا تو ممکن ہے۔ نکاح ایک فریضہ ہے۔ اب ہم نہیں کرسکتے اس لیے کہ ہمارے ہاں نکاح ایک خوشی کا نام ہے لیکن آقا حسینؑ کے زمانہ میں نکاح ایک فریضہ کا نام تھا۔ تو شبِ عاشور نکاح ہوسکتا تھا، یہ ایک بات ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ نکاح ہوا نہیں، ہاں! بعض علماء کا یہ نظریہ ہے۔

تیسری بات یہ کہ کیا مہندی نکالنا صحیح ہے؟ ہاں وہ صحیح ہے۔ وہ تو ہم اپنی محبت و عقیدت میں نکالتے ہیں کہ ہم ہوتے تو جناب قاسمؑ کی مہندی نکالتے تو مہندی نکالی جاسکتی ہے۔

سوال: مردوں کو قمیص اُتار کر ماتم کرنے کا کیا حکم ہے؟

جواب: مرد قمیص اُتار کر ماتم کرسکتے ہیں لیکن عورتوں کے لیے مردوں کا جسم دیکھنا حرام ہے۔

سوال: تقلید کی وضاحت کریں۔

جواب: ہر وہ آدمی جو قرآن و حدیث پر مکمل عبور نہیں رکھتا اس پر واجب ہے کہ قرآن و حدیث سمجھنے کے لیے اپنے زمانے کے سب سے بڑے عالم سے رجوع کرے، اس کا نام تقلید ہے۔

سوال: غیر شیعہ لوگ ہم پر اعتراض کرتے ہیں کہ نمازیں تو پانچ ہیں مگر مسجد میں اذانیں تین کیوں دی جاتی ہیں؟

جواب: قرآن نے جہاں جہاں نماز بتائی ہے اوقات صرف تین بتائے ہیں اور اذان چونکہ نماز میں بلانے کے لیے دی جاتی ہے تو جب ایک نماز کے لیے

لوگ اُٹھے ہیں اور مجمع ہے ہی، تو دوسری اذان کی ضرورت نہیں ہے۔

سوال: ناخن لمبے رکھنے کے لیے کیا حکم ہے؟

جواب: ناخن لمبے رکھنا حرام نہیں ہے۔ بس اتنا خیال کریں کہ آپ نجاست، طہارت میں ان کی صفائی کا خیال رکھیں۔

سوال: کہ یہ جو آیت ہے کہ جس میں ہے کہ رسولؐ نہیں جانتے تھے کہ کتاب کیا ہے؟

جواب: یہ منطق کی زبان میں ہے۔ قضیہ سالبہ یعنی وہ زمانہ کہ جب رسولؐ تھے ہی نہیں، کب کی بات ہے؟ یہ کہ جب رسولؐ کے نور کی تخلیق ہی نہیں ہوئی تھی۔ جب تک رسول کا نور پیدا نہیں ہوا تھا اس وقت کی یہ آیت ہے۔

ذکرِ مصائب

سوال: شیخ عبدالطاہر کے تین گناہوں کی اتنی سخت سزا ملی، ہمارے گناہوں کا کیا مسئلہ ہے؟

جواب: دیکھئے! گناہ کی نوعیت پر انحصار ہوتا ہے۔ والدین کے لیے گناہ کیا جائے تو بڑی سخت سزا ہے، غریب کا حق مارا جائے بہت سخت سزا ہے۔ گناہ کے اُوپر دارومدار ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قتل بہت سارے لوگ کرتے ہیں، ہر ایک کی سزا الگ الگ ہے۔ عام آدمی کو اگر قتل کریں تو اس کی بہت بڑی سزا ہے اور جس نے حسینؑ کے گلے پہ خنجر چلایا، جس نے عباسؑ کے سر پر گرز لگایا، جس نے اکبرؑ کے کلیجے میں برچھی کا پھل اُتارا، جس نے اصغرؑ کے گلے پہ تیر مارا۔

وہ لوگ جو کربلا کے واقعہ کے اندر تھے، لیکن کربلا میں جو قاتل تھے، ان کا گناہ تو پھر بھی سمجھ میں آجاتا ہے لیکن اللہ جو ایسے ظالم تھے کہ ننھی بچی کے رُخسار پر

طمانچے لگاتے جارہے ہیں۔ بیمار امامؑ کی کمر پہ کوڑے برساتے جارہے ہیں، کیسے کیسے عجیب ظالم تھے۔ کربلا کے قاتلوں سے زیادہ، کوفہ اور شام کے بازار اور دربار کے ان ظالموں کا پروردگار انتقام لے گا۔

کتنی عجیب منزل ہے، محمدؐ کی بیٹی ہے، علیؑ و فاطمہؑ کی لختِ جگر ہے، بے حیا یزید کے دربار میں بے ردا کھڑی کر دی گئی ہے اور وہ بے حیا شراب پی رہا ہے، شطرنج کھیل رہا ہے۔ اتنا وقت نہیں ہے کہ یہ پلٹ کر دیکھے کون قیدی کھڑے ہیں؟ ایک غیرت مند بھی مسلمان نہیں ہے کہ جو کہے کہ ہم کھڑے ہو جاتے ہیں اور تم بیٹھ جاؤ۔

بہن کو بھائی کا سر نظر آیا، آواز دی: عباسؑ! تو نہ رہا تو آج یہ وقت آ گیا۔

بس عزادارو ـــــــ!

ایک ننھی بچی ہے، ایک ہاتھ چہرے پر ہے، ایک ہاتھ گلے پر ہے۔ کبھی کھڑی ہوتی ہے، کبھی بیٹھ جاتی ہے۔ یزید کو حیرت ہوتی ہے۔

اے بچی تیرا نام کیا ہے؟

کہا: میرا نام فاطمہؑ ہے مگر بابا پیار سے سکینہ کہا کرتا تھا۔

کہا: یہ تیرا ایک چہرے پر اور ایک ہاتھ گلے پر کیوں ہے؟

کہا: چہرے پر ہاتھ اس لیے ہے کہ میرے بال چھوٹے ہیں، کہ میں بالوں سے چہرہ چھپا لوں؟ ہاتھ سے چہرہ چھپایا ہے۔ اور گلے پر اس لیے ہے کہ تیری فوج نے ایک رسی میں اٹھارہ گلے باندھ دیے ہیں۔ ارے! میرا گلا گھٹنے لگتا ہے۔ میں گھبرا کر کھڑی ہو جاتی ہوں، میرے بھیا سجادؑ کا گلا گھٹنے لگتا ہے تو میں گھبرا کے بیٹھ جاتی ہوں۔

یزید نے کہا: اے سکینہؑ! ہم نے بہت سنا ہے کہ تیرا بابا تجھ سے بڑی محبت

کرتا تھا، بابا کو دیکھو گی؟

سکینہؑ نے گھبرا کر کہا کہ کہاں ہے میرا بابا؟

یزید نے تخت کے نیچے سے طشت نکالا۔

عزادارو!

ننھی بچی نے عاشور کے بعد پہلی بار باپ کا کٹا سر اتنے قریب سے دیکھا، بے اختیار آگے بڑھی۔ باپ کے سر کو گود میں لینا چاہتی ہے۔

یزید نے کہا: رُک جا۔ میں تو اس وقت مانوں گا کہ جب یہ سر خود تیری گود میں آئے، بس اتنا سننا تھا۔ ہائے بچی! جلا ہوا کرتہ، شامِ غریباں میں یہ کُرتہ جلا تھا۔ پھر یہ کُرتہ بدلا نہیں گیا۔ زندانِ شام میں بھی سکینہؑ جلا ہوا کُرتہ پہن کر قبر میں دفن ہوئی۔

تو جلے ہوئے کُرتے کو پھیلایا، بابا! آج میری محبت کا امتحا ہو رہا ہے۔ بابا! ان کو دکھا دے کہ تو کتنی محبت کرتا ہے۔

راوی کہتا ہے کہ میں نے دیکھا کٹا ہوا سر طشت میں سے اُونچا ہُوا، ہوا میں تیرتا ہوا چلا۔ سکینہؑ کے جلے ہوئے کُرتے میں آ گیا۔ بچی نے بابا کے بوسے لیے۔ کل تک حسینؑ جھک کر سکینہؑ کا بوسہ لیتے تھے، آج سکینہؑ جھک کر بابا کا بوسہ لے رہی ہے۔

بابا! تیرے بعد میں نے بڑے طمانچے کھائے۔ ارے! میرے کان زخمی، لیکن بابا! تو تو مجھ سے زیادہ زخمی۔ ارے تیرا کٹا ہوا گلا، ارے تیرے ہونٹوں پر یزید کی چھڑیوں کے نشان!!

إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ!